
6th ستمبر 1965
PAKISTAN
DEFENCE DAY
ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت
ستمبر
2025ء
قیمت: 200 روپے
ہم آپ زمین پر نہیں،
کسی کے گھر پر کھڑے ہیں!
سیلاب میں اجڑے گھر، ڈوبے خواب
اور قرض کی زنجیریں
کراچی میں بارش کے بعد اربن
فلڈنگ کی کوریج سازش ہے؟

CRIME

CRIME STOPPERS

PROUD TO SERVE
SINDH POLICE

CRIME SCENE DO NOT CROSS



آغا عبدالرشید
(ایس ایچ او ملیر کینٹ پولیس اسٹیشن)



نندلال داس
(ایس ایچ او ڈاکس پولیس اسٹیشن)



نواز علی زرداری
(ایس ایچ او نبی بخش پولیس اسٹیشن)



سب انسپکٹر بھائی خان
(ایس ایچ او میٹھادر پولیس اسٹیشن)

ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC Certified

جلد نمبر 05 | ستمبر 2025ء | شمارہ نمبر 10

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

جو اس دنیا میں (دیدار الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا (بنی اسرائیل:72)



فرمان مصطفیٰ ﷺ

بدترین آدمی وہ ہے کہ جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔ (بخاری:6032)



فہرست

یوم دفاع پاکستان	5-6
کراچی میں بارش کے بعد اربن فلڈنگ کی کوریج سازش ہے؟	7-8
سیلاب میں اجڑے گھر، ڈوبے خواب اور قرض کی زنجیریں	9
بونیر کا وہ گاؤں جہاں ہر پتھر کے نیچے کسی کا مکان دبا ہے	10-11
پنجاب میں سیلاب میں پھنسے خاندانوں کی کہانیاں	12-13
سندھ کا محکمہ سماجی بہبود "سماجی بربادی" کا شکار	14
47 اداروں میں منقسم۔ کراچی دنیا کا انوکھا شہر	15
ایک قطرہ جیون..... تحریر ماہم چوہدری	16
کراچی کے سرکاری اسپتالوں میں بستروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، عملے کی بھی قلت	17-18
پولیس پوسٹنگ نیلامی کا کاروبار بن گئی	19-20
'ڈکی بھائی' کا مزید چار روزہ جسمانی ریمانڈ:	21-22
بدنیتی، بدعہدی، بدانتظامی اور نئے صوبے	23
ٹرمپ کی بے رخی کے بعد مودی کی نظریں چین پر	24-25
اکبر کی "مریم الزمانی"	26-27
اگر ایران پر دوبارہ پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو کیا ہوگا؟ 10 سوال	28
تھکا ہوا، ہارا ہوا صحافی، خاور حسین	29
لیکڈ فون کال جس کی وجہ سے تھائی لینڈ کی وزیراعظم کو عہدے سے ہاتھ دھونا پڑے	30

چیف ایڈیٹ: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل نائچ

مجلس ادارت:
نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیرہ قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان، طارق پٹھان

انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ

چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹر:
عمیر خان، نعمان صافی، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، سلطان چانگی سومرو، احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:
نوید میو (اسلام آباد) راحیل شہزاد (شہید بینظیر آباد)
سعدیہ حق (لاہور) چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)
شمیر قریشی (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

انچارج سندھ ڈیسک: سید انعام شاہ

قانونی مشیران:
سید عثمان الحسن ایڈووکیٹ، امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا

crimebeauru@gmail.com



ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔

کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0300 2056305

یومِ دفاع پاکستان



6 ستمبر کا دن پاکستانی قوم کے لیے ایک قابلِ فخر قومی دن ہے۔ یہ ہماری قومی اور عسکری تاریخ کا ایک انتہائی یادگار دن ہے جب ہم سے لگ بھگ چھ گنا بڑے ملک (بھارت) نے افرادی تعداد کی برتری اور زیادہ دفاعی وسائل کے نشے میں چور ہوکر کسی اعلان کے بغیر رات کے اندھیرے میں ہم پر حملہ کر دیا تھا مگر غیور اور متحد پاکستانی قوم نے اپنے دشمن کے جنگی حملے کا اس بہادری اور جانثاری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے سارے عزائم خاک میں مل گئے اور بین الاقوامی سطح پر بھی اسے رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ جارحیت کرنے والے بڑے ملک انڈیا کی فوج کو غیور پاکستانی فورسز نے ناکوں چنے چبوا دیے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ نے دنیا پر واضح کر دیا کہ جنگیں صرف مہلک ہتھیاروں اور بڑی فوجوں سے نہیں بلکہ قومی اتحاد، عزم و استقلال اور جذبے کے ساتھ جیتی جاتی ہیں۔ پاکستانی قوم کی حب الوطنی اور مسلح افواج کی پیشہ ورانہ مہارت اور جانثاری کے جرات مندانہ جذبے نے مل کر ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

6 ستمبر 1965ء کو رات کے اندھیرے میں بزدل بھاتی فوج کا حملہ دراصل پاکستانی قوم کے ریاستی نصب العین، دوقومی نظریہ، قومی اتحاد اور جذبہ حب الوطنی کیلئے بہت بڑا چیلنج تھا جسے جری قوم نے کمال وقار اور بے مثال جذبہ ؟ حریت سے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس امتحان میں اپنی ثابت قدمی اور فتح کو بھی یقینی بنایا۔ سترہ روزہ اس جنگ میں لازوال قربانیوں کی مثال پیش کر کے پوری پاکستانی قوم نے ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیا۔ دوران جنگ ہر پاکستانی کو ایک ہی فکر تھی کہ اسے دشمن کا سامنا کرنا اور اس کے مقابل کامیابی حاصل کرنا ہے۔ جنگ کے دوران نہ تو جوانوں کی نظریں دشمن کی نفری اور عسکری طاقتوں پر تھی اور نہ پاکستانی عوام کا دشمن کے حملے کو پسپا کر کے اسے شکست دینے کے سوا کوئی اور مقصد تھا۔ پوری قوم نے اتحاد کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ اساتذہ، طلبہ، شاعر، ادیب، فنکار، گلوکار، ڈاکٹرز، شہری دفاع کے رضا کار، مزدور، کسان اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سمیت ہر کسی کی ایک ہی دھن اور آواز تھی کہ اے مردِ مجاہد جاگ ذرا! اب وقت شہادت ہے آیا'۔

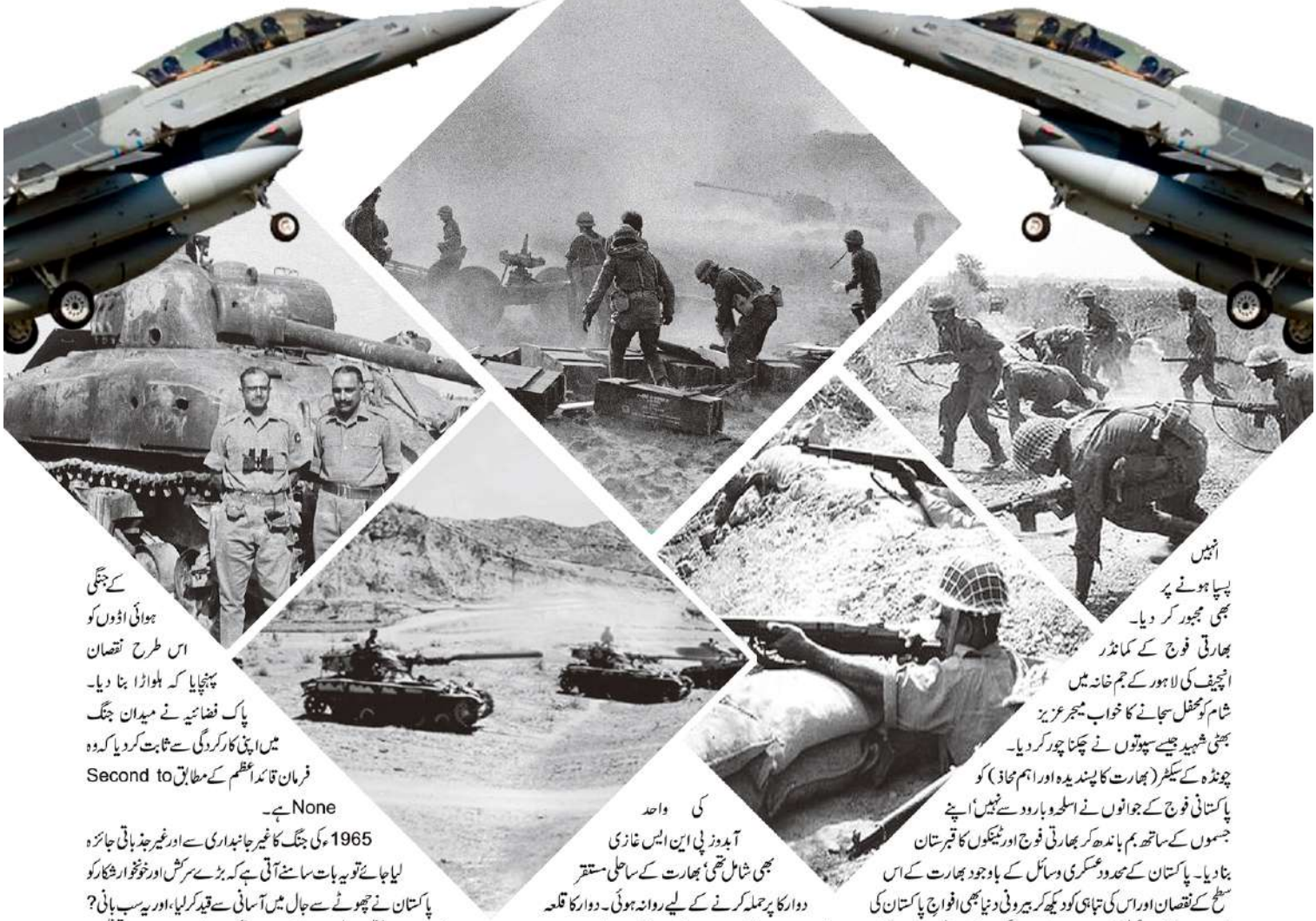
وسائل نہ ہونے کے باوجود اتنے بڑے اور ہر لحاظ سے مضبوط دشمن کے مقابلے میں پاکستان نے صرف اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو شکست فاش دی۔ بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحد رن آف کچھ پر طے شدہ قضیے کو ہندوستان نے بلا جواز زندہ کیا' فوجی تصادم کے نتیجے میں ہزیمت اٹھائی تو یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ بھارت پاکستان کے ساتھ جنگ کے لیے اپنی پسند کا محاذ منتخب کرے گا، اس کے باوجود پاکستان نے بھارت سے ملحق سرحدوں پر کوئی جارحانہ اقدام نہ کیے۔ صرف اپنی مسلح افواج کو معمول سے زیادہ الرٹ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ چھ ستمبر کو اندھیرے میں جب بھارتی فوج نے حملہ کیا تو



آناً فاناً پوری قوم، فوجی جوان و افسر، سرکاری ملازمین اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ فوری جاگ کر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے قوم سے خطاب کی وجہ سے ملک اللہ اکبر اور پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ صدر ایوب خان کے اس جملے کہ "پاکستانیو! اٹھو لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے آگے بڑھو اور دشمن کو بتا دو کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے" نے پوری قوم میں ایک نیا ولولہ بڑھ دیا تھا۔ پاک فوج نے ہر محاذ پر دشمن کی جارحیت اور پیش قدمی کو حب الوطنی کے جذبے اور پیشہ ورانہ مہارتوں سے روکا ہی نہیں بلکہ

گہرے سمندروں میں بھی یونٹس بھجوائے گئے۔ یہ امر تسلی بخش ہے کہ پوری جنگ کے دوران پاکستان کا سامانِ تجارت لانے اور لے جانے والے بحری جہاز بلا روک ٹوک اپنا سفر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ بھارتی بحریہ کو بندرگاہوں سے باہر ہی نہ آنے دیا گیا۔ پاکستان نیوی کی کامیابی کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بھارت کے تجارتی جہاز سرسوتی اور دیگر کتنے عرصہ تک پاکستان میں زیر حراست و زیر تحویل کراچی کی بندرگاہ میں رہے۔ 7 ستمبر کا دن پاکستان کی فتح اور کامیابیوں کا دن تھا۔ پاکستان نیوی کا بحری بیڑا، جس میں

جنگی حکمت عملی اور فوجی ضرورتوں کے پیش نظر تجویز کردہ نصاب کے مطابق پاک فضائیہ نے اپنے دشمن کے خلاف ہوا باز "گھوڑوں" کو تیار کر رکھا تھا جیسا کہ مسلمانوں کو دشمن کے خلاف تیار رہنے کا حکم ہے۔ ہمارے ہوا باز 7 ستمبر کو اپنے اپنے مجوزہ ہدف کو حاصل کرنے کے لیے دشمن پر جھپٹ پڑے۔ ایک طرف سکوارڈرن لیڈر ایم ایم عالم جیسے سپوت نے ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دشمن کے پانچ جہازوں کو مار گرایا تو دوسری طرف سکوارڈرن لیڈر سرفراز رفیقی اور سکوارڈرن لیڈر منیر الدین اور علاالدین جیسے شہیدوں نے بھی ثابت کر دیا کہ حرمت وطن کی خاطر ان کی جانوں کا نذرانہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ پاکستان کے غازی اور مجاہد ہوا بازوں نے بھارت



انہیں پسپا ہونے پر بھی مجبور کر دیا۔ بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف کی لاہور کے جم خانہ میں شام کو محفل سجانے کا خواب میجر عزیز بھٹی شہید جیسے سپوتوں نے چکنا چور کر دیا۔ چونڈہ کے سیکٹر (بھارت کا پسندیدہ اور اہم محاذ) کو پاکستانی فوج کے جوانوں نے اسلحہ و بارود سے نہیں اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر بھارتی فوج اور ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔ پاکستان کے محدود عسکری وسائل کے باوجود بھارت کے اس سطح کے نقصان اور اس کی تباہی کو دیکھ کر بیرونی دنیا بھی افواجِ پاکستان کی تعریف اور حکمت عملی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ پاکستانی عوام نے بھی فوج کے شانہ بشانہ دشمن کی جارحیت کا مقابلہ کیا اور دشمن کو بتا دیا کہ اس قوم کے جذبہ ؟ شہادت کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔

ستمبر 1965ء میں نیوی کی جنگی سرگرمیاں بھی دیگر دفاعی اداروں کی طرح قابل فخر رہیں۔ اعلانِ جنگ ہونے کے ساتھ بحری یونٹس کو متحرک و فنکشنل کر کے اپنے اپنے اہداف کی طرف روانہ کیا گیا۔ کراچی بندرگاہ کے دفاع کے ساتھ ساتھ ساحلی پٹی پر پٹرولنگ شروع کرائی گئی۔ پاکستان کے بحری، تجارتی روٹس کی حفاظت بھی پاک بحریہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، اس لیے سمندری تجارت کو بحال رکھنے کے لیے

کے جنگی ہوائی اڈوں کو اس طرح نقصان پہنچایا کہ ہلواڑا بنا دیا۔ پاک فضائیہ نے میدان جنگ میں اپنی کارکردگی سے ثابت کر دیا کہ وہ فرمان قائداعظم کے مطابق Second to None ہے۔

1965ء کی جنگ کا غیر جانبداری سے اور غیر جذباتی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بڑے سرکش اور خونخوار شکار کو پاکستان نے چھوٹے سے جال میں آسانی سے قید کر لیا، اور یہ سب کیا؟ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے بتائے گئے اصول (ایمان، اتحاد، تنظیم) پر عمل کرنے سے حاصل ہوا۔ کسی بھی زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہی اصول 1965ء کی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کا مرکز اور محور تھے۔ پاکستانی قوم کی طرف سے ملی یکجہتی، نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر متحد ہو کر دشمن کو ناکوں چنے چبوانے کا بے مثال عملی مظاہرہ ہر طرح کے فرق اور اختلافات کو پس پشت ڈالنے کا عملی مظاہرہ تھا۔ آج وطن عزیز پاکستان جن حالات سے دوچار ہے، ان سے نمٹنے کے لیے بھی ہمیں 6 ستمبر 1965ء جیسے جذبے اور اتحاد کی ضرورت ہے۔

کی واحد آبدوز پی این ایس غازی بھی شامل تھی، بھارت کے ساحلی مستقر دوارکا پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ دوارکا پر نصب ریڈار پاک فضائیہ کے آپریشنز میں ایک بڑی رکاوٹ تھا۔ مذکورہ فلیٹ صرف 20 منٹ تک اس دوارکا پر حملہ آور رہا۔ توپوں کے دھانے کھلے اور چند منٹ میں دوارکا تباہ ہو چکا تھا۔ پی این ایس غازی کا خوف بھارت کی نیوی پر اس طرح غالب تھا کہ بھارتی فلیٹ بندرگاہ سے باہر آنے کی جرات نہ کر سکا۔ بھارتی جہاز تلوار کو پاکستانی بیڑے کا سراغ لگانے کے لیے بھیجا گیا مگر وہ بھی غازی کے خوف سے کسی اور طرف نکل گیا۔

ایئر مارشل اصغر خان اور ایئر مارشل نور خان جیسے قابل فخر سپوتوں اور کمانڈروں کی



کراچی میں بارش کے بعد اربن فلڈنگ کی کوریج سازش ہے؟





پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں گذشتہ دنوں بارش سے خبریں بھی قومی سطح کی بنیں۔ اس پر سندھ کے صوبائی وزیر شرجیل انعام میمن نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ایسا' کچھ میڈیا ہاؤسز نے منظم منصوبہ بندی' کے تحت کیا۔

انڈیپنڈنٹ اردو کے لیے منصوبہ بندی کی تحقیقات تو مشکل ہیں لیکن اس کوریج کی تین بڑی وجوہات جاننے کی کوشش کی۔

سندھ کے سینیئر وزیر اور صوبائی وزیر برائے اطلاعات، ٹرانسپورٹ و ماس ٹرانزٹ شرجیل انعام میمن نے جمعرات کو کراچی میں پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ ملک کے دیگر علاقوں کی نسبت کراچی میں جانی نقصان کم ہوا۔' کراچی میں ہونے والی زیادہ تر اموات کرنٹ لگنے کے باعث ہوئیں تاہم کچھ میڈیا ہاؤسز نے منظم منصوبہ بندی کے تحت حکومت کے خلاف مہم چلائی۔'

صوبائی وزیر کے اس بیان پر انڈیپنڈنٹ اردو نے مختلف ماہرین سے گفتگو کرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کیا یہ کوریج غیر معمولی تھی یا اس کی وجوہات کچھ اور تھیں۔

1۔ زیادہ چینلز، زیادہ کوریج؟

کراچی پاکستان کا نا صرف بڑا تجارتی مرکز ہے بلکہ اکثر ٹی وی نیوز چینلز کے صدر دفاتر بھی کراچی میں ہیں۔ ماہرین کے خیال میں دراصل یہ ایک بڑی وجہ غیر معمولی کوریج کی ہو سکتی ہے۔ بعض چینلز نے اپنے میزبانوں کے ذریعے لائیو شاہراہ فیصل پر کھڑا پانی اور پھنسے شہری دکھائے۔ یہ سہولت ان چینلز کو بظاہر کراچی کے مقابلے میں بونیر یا سوات میں دستیاب نہیں تھی۔

نجی ٹی وی چینل جیو نیوز کے کراچی کے بیورو چیف طارق ابوالحسن کے مطابق یہ چینلز ہمیشہ زمینی حقائق پر واقعات کی رپورٹنگ کرتے ہیں۔ 'اگر کسی کو لگتا ہے کہ یہ کوئی سازش ہے یا کسی مخصوص سیاسی جماعت کے خلاف کوریج ہے تو ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔'

انڈیپنڈنٹ اردو سے گفتگو کرتے ہوئے طارق ابوالحسن نے کہا: ٹی وی چینلز کی کوریج کے لیے ویڈیو ہونا لازم ہے۔ جب کراچی میں پانی کی نکاسی نہ ہونے، پانی میں لوگوں کی پھنسنے کی ویڈیوز سامنے آئیں تھیں تب ہی کوریج ہوئی۔

'ٹی وی چینلز زمینی حقائق کی بنیاد پر کوریج کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر جب ایسے ویزیولز کی بھرمار ہو تو ٹی وی کو کور کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی ویڈیوز کی تصدیق کے اور پھر ان واقعات کی رپورٹنگ کی۔

'بارش ہونا قدرتی بات ہے، اس بارش کے بعد پانی کا رکنا بھی قدرتی بات ہے، لیکن پھنسے ہوئے لوگوں کا ریسکیو کرنا حکومت کا کام ہے۔ سکیورٹی ادارے، ریسکیو 1122 سمیت حکومتی اداروں کو بارش کے دوران لوگوں کی مدد کرنا چاہیے اگر نہیں اور اس پر رپورٹنگ ہوئی تو یہ سازش کیسے ہے؟

عام تاثر ہے کہ خیبر پختونخوا، پنجاب، پاکستان کے زیر انتظام کشمیر اور گلگت میں بارش سے حالات قدرے زیادہ خراب ہوئے مگر کراچی کی نسبت وہاں کی کوریج اس طرح نہیں کی گئی۔ کیوں؟

طارق ابوالحسن نے بھی اس کی وجہ بتا دی: 'خیبر پختونخوا سمیت مختلف علاقوں کی تمام چینلز میں کوریج ہوئی۔ لیکن کراچی کی طرح ان کی کوریج نہ ہونے کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں ایک ان علاقوں میں چینلز کے رپورٹر نہ ہونا بڑی وجہ ہے۔'

2۔ انسانی ہمدری بمقابلہ تنقید

کئی سالوں سے کراچی میں بارش کی رپورٹنگ پر سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ اس مرتبہ بھی کوئی زیادہ غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔ اس میں









کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں جانی نقصان کراچی کے مقابلے میں کافی زیادہ رہا۔ اسی وجہ سے ماہرین کے مطابق فطری بات ہے کہ اتنے بڑے جانی نقصان پر عمومی طور پر ردعمل افسوس اور غم کا حاوی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہاں کی کوریج میں قدرتی آفت کا رنگ زیادہ نمایاں پایا گیا۔

لیکن کراچی میں ایسے قدرتی مسائل سے نمٹنے کی بڑی صلاحیت کی توقع ہوتی ہے۔ لہذا ایسا نہ ہونے پر قدرتی ردعمل تشویش اور غصے کا ہی ہوتا ہے۔ یہی رنگ کراچی پر غالب نظر آتا ہے۔

مبصرین کا اصرار ہے کہ انتظامی طور پر کراچی ملک کے دیگر شہروں سے یکسر مختلف ہے۔ کراچی میں سندھ حکومت کے زیر انتظام علاقوں کے علاوہ وفاقی حکومت اور وفاقی اداروں کے زیر انتظام بھی بڑے علاقے ہیں۔ لیکن رپورٹنگ کے دوران ان اداروں کے زیر انتظام علاقوں میں نکاسی آب نہ ہونے پر بھی سندھ حکومت کو ہی نشانہ بنایا جاتا ہے۔'

بقول رزاق ابڑو 'قانونی طور پر یہ ادارے اپنے حدود میں صفائی رکھنے، نکاسی آب سمیت تمام کاموں کے خود ذمہ دار ہیں۔'

کراچی: نالوں پر مکانات کی مسماری ہی اربن فلڈنگ بچاؤ کا طریقہ ہے؟

انہیں کراچی میں کارپوریٹ سوشل ذمہ داری کی مد میں ترقیاتی کاموں میں مدد نہ کرنے کی بھی شکایت کی۔ 'جیسے تھر میں کوئلہ پر کام کرنے والی کمپنیز نے مقامی آبادی کے لیے پینے کے پانی کی فراہمی کرتی ہیں۔ سانگھڑ میں گیس اور تیل نکالنے والی کمپنیز ضلعے کے مرکزی روڈ تعمیر کرائے، لیکن کراچی میں ایسا دکھائی نہیں دیتا۔'

3۔ آبادی، سوشل میڈیا پر موجودگی کا فرق

پاکستان میں 2023 کی مردم شماری کے مطابق کراچی کی آبادی دو کروڑ افراد سے زیادہ تھی۔ اس کے مقابلے میں اسی مردم شماری نے سوات اور بونیر کی کل آبادی تیس لاکھ سے زیادہ بتائی ہے۔ لہذا بونیر اور سوات جیسے علاقے انٹرنٹ کے صارفین کے اعداد و شمار میں بھی کراچی سے کافی پیچھے ہیں۔

بونیر اور سوات جیسے علاقوں کی نسبت موبائل فون سروس کی کوالٹی اور کوریج میں بھی کراچی زیادہ بہتر پایا گیا ہے۔

ماضی میں بھی کراچی جیسے بڑے شہروں کے مسائل کو دور دراز کے علاقوں سے زیادہ میڈیا کوریج ملتی رہی ہے۔ میڈیا ماہرین مانتے ہیں کہ دور دراز دیہی علاقوں کے بڑے مسائل کو بعض اوقات کراچی کے قدرے چھوٹے مسئلے کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت نہیں ملتی۔

کراچی میں عام طور پر بارش کے بعد سوشل میڈیا پر شہر کے مختلف علاقوں میں کھڑے پانی، راستوں میں پھنسے لوگوں کی ویڈیوز قدرے جلد وائرل ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد سوشل میڈیا پر گرما گرم بحث شروع ہو جاتی ہے اور اکثر صارفین دل کا غبار نکالتے ہیں۔ حزب اختلاف کی سیاسی جماعتیں بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لیتے ہیں۔

2006 سے ماحولیات پر کام کرنے والے جریدے فروزاں کے ایڈیٹر محمود عالم خالد کہتے ہیں کہ کراچی، ساحلی شہر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام دیگر شہروں سے یکسر مختلف ہے۔ انڈیپنڈنٹ اردو سے گفتگو میں انہوں نے بتایا کہ ' کراچی میں چھوٹے بڑے نالوں کی تعداد 500 سے زائد ہے۔ کیا ملک کے کسی اور شہر میں اتنی تعداد میں نالے ہیں؟ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان نالوں میں سیوریج کا پانی ڈال دیا گیا، اب یہ نالے مستقل چلنے لگے۔

'جب نکاسی آب نہ ہونے کے باعث شہر ڈوبے گا تو میڈیا تو کوریج کرے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ کوریج ان کے خلاف ہے تو سمجھتے رہیں، مگر اس میں کوئی سازش نہیں ہے۔'













سیلاب میں اجڑے گھر

ڈوبے خواب اور

قرض کی زنجیریں

لوگوں کی زندگی بھر کی کمائی چند ہی لمحوں میں مٹی اور پانی میں دفن ہوگئی

سیلاب کی تباہ کاریوں نے جہاں کھیت کھلیانوں کو روندڈالا وہیں بہت سے لوگوں کی زندگی بھر کی کمائی بھی چند ہی لمحوں میں مٹی اور پانی میں دفن ہوگئی۔

لاہور میں موہلنوال کے قریب ایک نجی ہاؤسنگ سوسائٹی میں وہ گھر جو خوشیوں کے خوابوں سے آباد کیے گئے تھے، آج شکستہ دیواروں، گرے ہوئے دروازوں اور پانی میں ڈوبے سامان کے ساتھ ویران کھنڈرات کا منظر پیش کررہے ہیں۔ ان مکینوں کے دکھ صرف سامان اور مکان کے نقصان تک محدود نہیں بلکہ ان پر قرضوں کی ادائیگی کا بوجھ بھی ایسا ہے جو ان کے کاندھوں پر اور زیادہ بھاری محسوس ہوتا ہے۔

بشارت بی بی نے چند روز پہلے ہی اپنے خوابوں کا گھر مکمل کیا تھا۔ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ گھر میں دعا کروانے کی تیاری ہورہی تھی لیکن قدرت کی بے رحم آفت نے ان کی خوشیاں چھین لیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے ہیں جب وہ بتاتی ہیں کہ 10 اگست کو گھر مکمل ہوا، ابھی دعا کروانی تھی کہ سیلاب نے سب کچھ اجاڑ دیا۔

بشارت بی بی کے شوہر جو رکشہ چلاتے ہیں، گھر کی رنگ وروغن کے دوران گر کر زخمی ہوگئے۔ بازو فریکچر ہے اور کام بھی رکا ہوا ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ یہ گھر انہوں نے ''اپنی چھت اپنا گھر'' اسکیم کے تحت اخوت سے قرض لے کر بنایا تھا۔ پہلی قسط ابھی ادا بھی نہ ہوئی تھی کہ گھر پانی میں بہہ گیا۔ بشارت بی بی کی آواز میں بے بسی صاف جھلکتی ہے اب نہ گھر ہے نہ سامان، اور قرض بھی واپس کرنا ہے۔

ندیم اقبال اور ان کے بھائیوں کا دکھ بھی کچھ مختلف نہیں۔ وہ برسوں کی محنت، پسینے اور جمع پونجی کو یاد کر کے ٹوٹے دل سے کہتے ہیں ہم نے زندگی بھر کی کمائی خرچ کر کے یہ گھر بنایا تھا لیکن سیلاب نے سب خواب اور ساری خوشیاں برباد کردیں۔ ان کے گھر میں اب بھی کئی کئی فٹ پانی کھڑا ہے اور وہ بے بسی سے اپنی کھڑکیوں کے باہر لہروں کو دیکھتے رہتے ہیں۔

محمد جہانگیر کے گھر سے اگرچہ پانی اتر چکا ہے مگر تباہی کی داستانیں وہاں ہر کونے میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کے دروازے کیچڑ میں اٹے ہوئے ہیں، فرنیچر سوج کر ٹوٹ چکا ہے، پانی کی موٹر اور برقی آلات ناکارہ ہوگئے ہیں۔

وہ بتاتے ہیں کہ جب سیلابی پانی آیا تو پولیس اور حکام نے سب کو گھر سے نکال دیا اور کسی کو کچھ ساتھ لینے کی اجازت نہ دی۔ جہانگیر کی والدہ چھت پر بیٹھی اپنی بیٹی کے جہیز کا سامان دھوپ میں سکھا رہی ہیں۔ ان کے ہاتھ کپڑوں پر رگڑتے ہیں مگر آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں بیٹی کے جہیز کا سامان خریدا تھا، سب خراب ہوگیا۔ کچھ چیزیں تو چوری بھی ہوگئیں۔

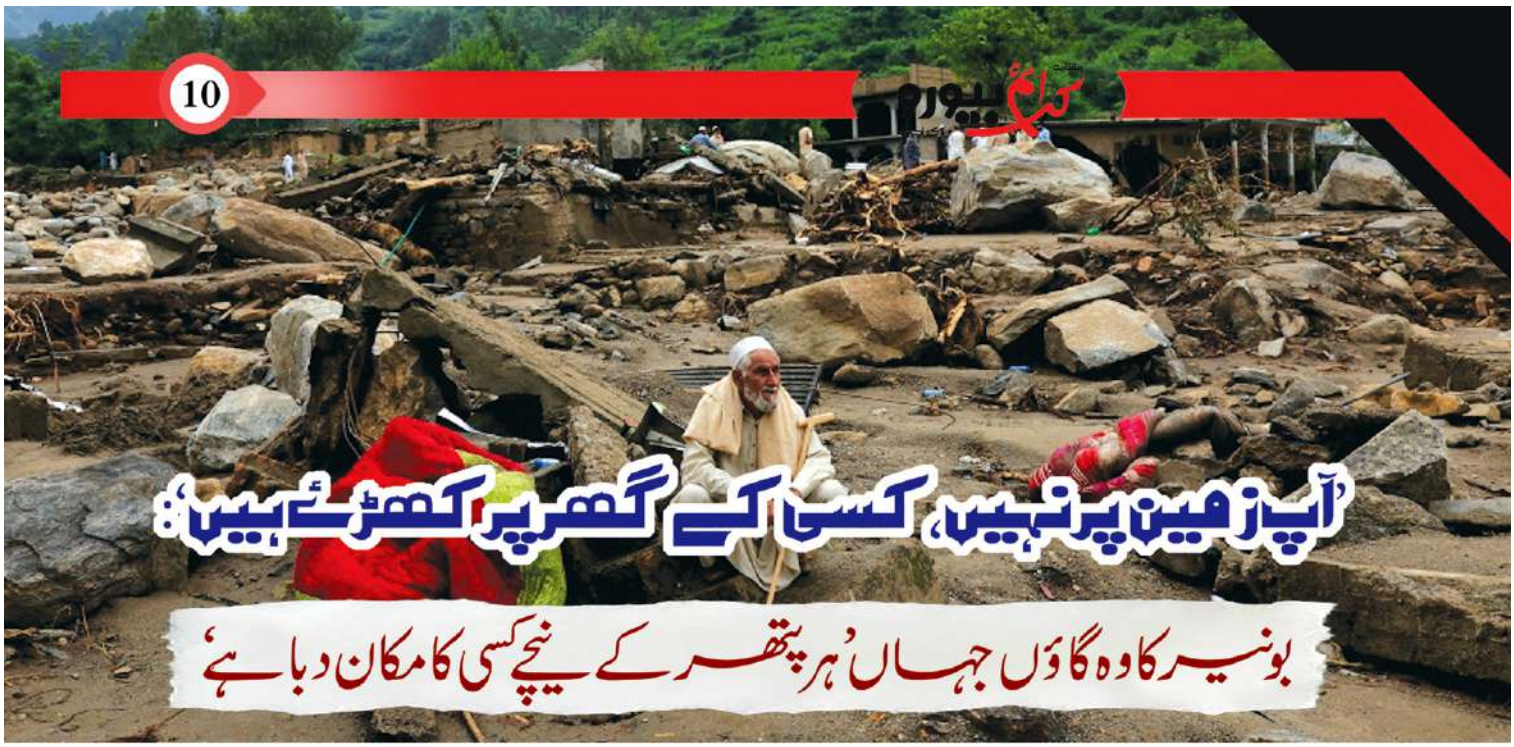
جہانگیر دکھ بھری آواز میں بتاتے ہیں کہ ان کا سولر سسٹم کا انورٹر بھی کوئی اٹھا کر لے گیا۔ یہ صرف انہی کا نہیں، بلکہ علاقے کے کئی رہائشیوں کا حال ہے جو نہ صرف سیلاب سے محرومی کے زخم سہہ رہے ہیں بلکہ چوریوں کا دکھ بھی جھیل رہے ہیں۔

یہ کہانیاں ان سیکڑوں گھروں کی ہیں جو نجی ہاؤسنگ سوسائٹی میں قرض لے کر تعمیر کیے گئے تھے۔ اب جب پانی نے اینٹ سے اینٹ بجادی ہے تو مکین نہ صرف اپنے اجڑے گھروں کو دیکھ کر دکھی ہیں بلکہ قرضوں کی قسطیں لوٹانے کی فکر نے انہیں مزید کچل دیا ہے۔

یہ لوگ اب حکومت کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب ہماری آواز سنیں۔ ہم نے خواب دیکھے تھے، محنت کی تھی، قرض لے کر اپنے بچوں کے لیے چھت بنائی تھی مگر سب کچھ ختم ہوگیا۔ کم از کم ہمارے قرض معاف کر دیے جائیں تاکہ ہم دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔

یہ انسانی المیہ صرف تباہ گھروں کا نہیں، بلکہ ٹوٹے خوابوں، بہتے جہیز، ملبے تلے دبے مستقبل اور قرض کی زنجیروں میں جکڑے ان لوگوں کا ہے جنہیں اب بھی امید ہے کہ شاید ریاست ان کی آواز سنے اور ان کے زخموں پر مرہم رکھے۔

پی ڈی ایم اے کے مطابق دریائے راوی ستلج اور چناب میں سیلاب کے 33 سو سے زائد موضع جات میں 33 لاکھ 63 ہزار لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ سیلاب میں پھنس جانے والے 12 لاکھ 92 ہزار لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا۔



’آپ زمین پر نہیں، کسی کے گھر پر کھڑے ہیں‘

بونیر کا وہ گاؤں جہاں ’ہر پتھر کے نیچے کسی کا مکان دبا ہے‘

چند روز پہلے تک بشونئی سرسبز پہاڑوں میں گھرا خیبر پختونخوا کے ضلع بونیر کا ایک خوبصورت گاؤں تھا جس کے بیچوں بیچ ایک خوبصورت ندی بہتی تھی۔ اس ندی کے ساتھ مکان تھے۔

15 اگست یعنی جمعے کی صبح بشونئی کے لوگ صبح سویرے اٹھے اور اپنے اپنے کام پر چلے گئے تھے۔ بچوں کے سکول جانے کے بعد خواتین گھروں کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

یہ سب اس بات سے بے خبر تھے کہ اگلے لمحوں میں کیا ہونے والا ہے۔ اس صبح شدید بارش ہوئی۔ مقامی لوگوں کے مطابق اچانک پانی کا ایسا ریلا آیا جو ’اپنے ساتھ بڑے بڑے پتھر لایا اور راستے میں آنے والی عمارتیں ملیامیٹ کرتا ہوا آناً فاناً پورا گاؤں تباہ کر گیا۔‘

یاد رہے کہ خیبر پختونخوا کے مختلف اضلاع میں جمعرات اور جمعے کی درمیانی شب شروع ہونے والی بارشوں اور سیلابی ریلوں کے باعث مختلف حادثات میں اب تک کم از کم 314 افراد ہلاک اور 156 زخمی ہوئے ہیں۔ پی ڈی ایم اے کے مطابق سب سے زیادہ متاثرہ ضلع بونیر میں 217 افراد ہلاک ہوئے ہیں۔

بی بی سی کی ٹیم نے بشونئی کا دورہ کر کے صورت حال دیکھی جہاں بادل پھٹنے اور سیلابی ریلوں سے ہونے والی تباہی نے سینکڑوں افراد کی جان لے لی۔ مقامی لوگ اب تک شدید صدمے میں ہیں۔

ہم اس علاقے میں پہنچے تو اکثر لوگ ہی بشونئی گاؤں کی طرف روانہ تھے۔

ہم پیر بابا بازار سے نکلے تو چند منٹ کے بعد گاؤں کی ایک سڑک سے گزر رہے تھے جہاں ہر طرف ہریالی تھی اور مکئی کے پودے پھل دینے کو تیار تھے۔ آس پاس باغات تھے۔

تھوڑی دور آگے گئے تو بڑی تعداد میں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہم اسی راستے پر پیدل روانہ ہوئے۔

ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا کہ دائیں جانب نظر گئی تو سخت حیرانی ہوئی کہ یہاں پتھر کہاں سے آئے۔ بشونئی گاؤں میں بڑے بڑے پتھر، کنکریٹ کے بلاکس اور جڑوں سے اکھڑے ہوئے درخت نظر آئے۔

گاؤں میں داخل ہوئے تو وہاں ہر شخص ہی پتھروں کو دیکھ دیکھ کر گزر رہا تھا جبکہ ٹولیوں کی شکل میں ریسکیو اہلکار اور مقامی لوگ جگہ جگہ پتھر ہٹانے کے کام مصروف تھے۔

ان کے پاس کوئی بھاری مشینری نہیں تھی۔ چھوٹے بڑے اوزاروں سے ہی یہ لوگ پتھر ہٹانے کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ گاؤں کے درمیان بہنے والی ندی کے دونوں جانب بڑے بڑے پتھر تھے۔

ایک مقامی شخص اسرار خان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ یہاں ’ہر پتھر کے نیچے ایک مکان ہے۔ یہ پتھر یہاں نہیں تھے۔‘

ان کے مطابق ’جمعہ کے روز جو آسمانی بجلی اوپر پہاڑ پر گری اور پھر وہاں بادل پھٹے تو پانی کا ریلا یہ پتھر بھی بہا لایا۔‘

انھوں نے ’تندر‘ کا لفظ استعمال کیا جو ممکنہ طور







پر بجلی کی کڑک اور شدید بارش کی نشاندہی کر رہا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ 'لوگ ان پتھروں کے نیچے جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاید وہ کسی کو تلاش کر لیں۔'

'آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ زمین پر چل رہے ہیں۔ یہ اس وقت آپ کسی مکان کی دوسری چھت اور کسی مکان کی تیسری منزل پر کھڑے ہیں۔ مکان تو نیچے دب گئے ہیں۔ یہ پتھر اور چٹانیں یہاں کی نہیں ہیں۔' یہ کہہ کر اسرار خان آگے روانہ ہو گئے۔

مقامی لوگوں نے ہمیں بتایا کہ اس گاؤں میں 80 سے 90 گھر تھے جن میں سے بیشتر کا روزگار کھیتی باڑی سے منسلک تھا۔

اس سیلاب میں ایک اندازے کے مطابق 50 فیصد مکان مکمل تباہ ہو گئے ہیں جبکہ باقی مکان بھی اب رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

سیلاب اور بارش سے متاثرہ علاقوں کی جانب اہم شخصیات کا آنا جانا بھی لگا ہوا تھا۔ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا، پی ٹی آئی کے چیئرمین بیرسٹر گوہر سمیت دیگر شخصیات کی آمد و رفت جاری تھی۔

سواڑی سے پیر بابا بازار کی طرف جیسے ہی روانہ ہوئے تو دائیں بائیں فصلیں اوندھے منہ پڑی تھیں۔ درخت جڑوں سے اکھڑے ہوئے تھے، گاڑیاں تباہ حال تھیں جو کہیں کیچڑ میں دھنسی ہوئی تو کہیں دیواروں میں الٹی





ہوئی نظر آئیں۔

تھوڑی دور ہی گئے تھے تو پیر بابا بازار آیا۔ یہاں تو کچھ اور ہی تصویر نظر آ رہی تھی۔

پانی کی شدت کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ بازار میں پانی تیسری منزل تک پہنچ گیا تھا۔ کچھ دکانیں منہدم ہو چکی تھیں۔ چینی کی بوریاں مٹی میں لت پت نظر آئیں۔ خواتین کے کپڑوں کا سامان بھی کیچڑ میں پڑا تھا اور ان کے اوپر سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

دکانداروں نے اپنی مدد آپ کے تحت کام شروع کر رکھا تھا۔ وہ دکانوں سے کیچڑ اور پانی نکال رہے تھے۔

پیر بابا کے مزار کا علاقہ بھی اس تباہی سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔

بشونئی گاؤں میں الخدمت اور دیگر امدادی ادارے متحرک نظر آئے۔ لوگوں میں سامان تقسیم کیا جا رہا تھا اور میڈیکل کیمپ قائم تھا۔

بشونئی گاؤں کے وسط میں کھڑے ہو کر دیکھا تو سامنے پہاڑ پر ہر طرف ہریالی تھی۔

مقامی شخص اسرار خان نے بتایا کہ 'اس ہریالی کے درمیان دیکھیں تو دور سے ایک خشک جگہ نظر آ رہی ہے، تندر یہاں گرا تھا اور یہ تندر اتنی خاموشی سے گرا کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا ہوا ہے۔'

اسرار خان ہمارے ساتھ چلتے ہوئے اس گاؤں کی تصویر کشی بھی کرتے رہے۔ انھوں نے بتایا کہ صرف اس گاؤں کے اب تک 27 افراد لاپتہ ہیں اور ان کی تلاش کا کام جاری ہے۔

جب ان سے پوچھا کہ یہ واقعہ کیسے پیش آیا تو انھوں نے ایک گہری سانس لی اور بولے کہ 'یہ سب کچھ میری نظروں کے سامنے ہوا ہے۔'

انھوں نے بتایا کہ 'میرا ایک بھائی سامنے عمارت کے پیچھے واقع ایک گاؤں طوطی ڈھیرئی میں پرائمری سکول میں استاد ہے۔'

'انھوں نے جب پہاڑ پر تندر گرتے دیکھا تو چپل پہنے بغیر اپنے گاؤں کی طرف بھاگا اور چیخ چیخ کر کہتا آیا نکلو گھروں سے نکلو فوراً نکلو اور اس کے لیے وہ راستے میں لوگوں کے ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا وہ اتنا چلایا کہ اس کا گلہ بیٹھ گیا تھا۔'

انھوں نے ایک ہی سانس میں یہ بتاتے ہوئے کہا کہ اس نے اور دیگر لوگوں نے کچھ لوگوں کو بچا لیا لیکن 'پانی بہت تیز تھا اسے کسی پر رحم نہیں آیا۔'

وہاں موجود لوگوں نے بتایا کہ یہاں چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں۔ کہیں 20-30 گھرانے ہیں تو کہیں 50 یا ساٹھ گھرانے۔ بارشوں اور سیلابی ریلے نے لگ بھگ سب کو متاثر کیا ہے۔

ایک شخص میرے قریب آیا اور کہا 'یہ سامنے مکان دیکھ رہے ہیں۔'

ہم نے بغور دیکھا لیکن وہاں کوئی مکان نہیں تھا۔ ہمارے کہنے پر انھوں نے بتایا کہ یہ بنیاد نظر آ رہی ہے یہاں ایک ہی گھر میں جوائنٹ فیملی کے طور پر کوئی 20 افراد رہتے تھے۔

'ان میں سے 18 افراد اب نہیں رہے۔ کچھ کی لاشیں ملی ہیں اور کچھ کی تلاش جاری ہے۔ دو افراد زندہ بچ گئے ہیں۔'

میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو انھوں نے بتایا کہ 'انھیں تو ہوش ہی نہیں ہے ان کی سمجھ بوجھ کام نہیں کر رہی۔ اگر کوئی بات پوچھتا ہے تو رونے لگ جاتے ہیں۔'

ساتھ کھڑے ایک شخص شیر زمان نے بتایا کہ ایک اور مکان جس میں شادی کی تیاریاں جاری تھیں وہاں بھاری جانی نقصان ہوا ہے۔

ہم اس گاؤں میں صبح سے دوپہر تک رہے لوگوں سے بات چیت کی، اتنے میں دو نوجوان ایک پتھر پر آ کر بیٹھ گئے جن کے پاؤں کیچڑ سے اٹے پڑے تھے۔

انھوں نے بتایا کہ وہ لوئر دیر سے آئے ہیں اور 'مقصد صرف یہاں لوگوں کی مدد کرنا تھا۔'

اس مقام پر دور دراز علاقوں سے لوگ مقامی لوگوں کی مدد کے لیے آئے تھے۔ گاؤں میں ریسکیو اور دیگر اداروں کے ساتھ فوجی اہلکار بھی بحالی کے کاموں میں مصروف تھے جبکہ بھاری مشینری بھی پہنچ رہی تھی۔





'پانی چاروں طرف سے گھیر چکا ہے مگر اپنے گھروں کو کیسے چھوڑیں؟'

پنجاب میں سیلاب میں پھنسے خاندانوں کی کہانیاں

محمد بوٹا کا گاؤں جھمن مان سنگھ، نارووال کی تحصیل شکر گڑھ میں واقع ہے۔ یہ گاؤں دریائے راوی کے ہمسائے میں ہے اور سب سے زیادہ متاثر بھی ہے۔ یہاں گذشتہ تین دن سے بجلی کا نظام معطل ہے۔

اس گاؤں کی آدھی سے زیادہ آبادی نقل مکانی کر چکی ہے، خواتین و بچے محفوظ مقام کی طرف جا چکے ہیں اور مویشی بھی محفوظ کیے جا رہے ہیں مگر بڑی تعداد میں لوگ اب بھی موجود ہیں جس کو چار طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہے۔

گاؤں کے رہائشی محمد بوٹا، اُن لوگوں میں سے ہیں جو کسی محفوظ مقام پر منتقل نہیں ہو سکے۔

اُنھوں نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ 'مجھے اہلخانہ کے ساتھ نکلنے کا موقع نہیں ملا۔ ہمارے کچھ لوگ گاؤں میں ہی رہ گئے کیونکہ اِدھر ہمارے کچھ مویشی بھی ہیں۔ اگر ہم انھیں چھوڑ کر چلے جاتے تو یہ بھوکے رہ جاتے اور گھروں کا پورا سامان بھی تو نہیں اُٹھایا جا سکتا۔'

محمد بوٹا کہتے ہیں کہ 'ہمارے گاؤں کے زیادہ تر لوگ قریبی گاؤں اخلاص پور کی طرف چلے گئے ہیں، یہ ہمارے گاؤں سے سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر اور اُونچے مقام پر ہے، سیلابی وہاں زیادہ نقصان نہیں کر سکتا۔'

محمد بوٹا کے مطابق 'اس وقت ہمیں کھانے پینے کی اشیا کے ساتھ جانوروں کے لیے چارے کی دِقت کا سامنا ہے۔ ہمارے کچھ جانوروں اور فصلوں کو نقصان پہنچا۔'

مقامی انتظامیہ کی جانب سے ریلیف کیمپ کے سوال کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ 'ریلیف کیمپ کا ہمیں کوئی علم نہیں، نہ ہی کسی نے ہم سے رابطہ کیا۔'

شاہد علی ضلع ننکانہ صاحب کے گاؤں شیخ دائیوب ویل موضع بیچو کے پار کے رہائشی ہیں۔ یہ بھی راوی کے ہمسائے میں رہتے ہیں۔

انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ 'ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ تو ابھی اُدھر ہی موجود ہیں جبکہ کچھ شہر کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ علاقے میں دو دِن پہلے پانی داخل ہوا تھا'

وہ کہتے ہیں کہ 'ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہمارا سایہ اتنا پھر سکتا ہے۔'

'یہاں کے گھر اُونچے مقام پر ہیں لیکن چاروں طرف پانی ہی پانی ہے۔ فصلیں اور جانور متاثر ہو رہے ہیں۔ ہماری اپنی چاول کی فصل مکمل طور پر ڈوب چکی ہے'

وہ کہتے ہیں کہ 'ہم سن رہے ہیں کہ انڈیا کی جانب سے جو پانی آ رہا ہے اس کا بڑا ریلا ہمارے گاؤں میں بھی داخل ہو کر مزید تباہی کا باعث بنے گا، جس کی وجہ سے علاقے بھر میں تشویش پائی جا رہی ہے۔'

'وہ آبادیاں جو دریا کے بالکل پاس ہیں وہاں سے انھیں انتظامیہ اُٹھا رہی ہے اور محفوظ مقام کی طرف منتقل کر رہی ہے۔ ہمارے گاؤں کے لوگوں کو بھی محفوظ مقام کی طرف جانے کا کہا جا رہا ہے مگر کیا کریں؟ سڑکیں بند ہیں۔'

ضلع سرگودھا کی تحصیل کوٹ مومن کا گاؤں سید کہنہ دریائے چناب کے بالکل کنارے پر آباد ہے۔

یہاں کے رہائشی شمس الحسن سے جب رابطہ ہوا تو وہ اپنے جانوروں کو محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی تگ و دَو میں تھے۔ ان کا گاؤں آخری بار دس بارہ سال پہلے سیلاب سے متاثر ہوا تھا۔

یہ گاؤں حفاظتی بند کے اندر دریا کی طرف ہے۔ اس لیے شدید خطرے میں ہے۔

شمس الحسن کہتے ہیں کہ 'اس وقت دریا کا پانی باہر کھیتوں کی طرف زیادہ نہیں لیکن

خبروں کے مطابق آج رات ایک بڑا ریلا اس مقام سے گزرے گا جو ہمارے گاؤں کو بھی ڈبو دے گا۔ اس لیے ہم لوگ گاؤں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'

شمس الحسن نے بتایا کہ 'ہمارے لوگ اپنی خواتین اور بچوں کو محفوظ مقام کی طرف بھیج چکے ہیں جبکہ جانوروں کی منتقلی کا سلسلہ شروع ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ایک مشکل لمحہ ہے' گھر اور علاقے کو چھوڑنا اور دوسری جگہ عارضی طور پر منتقل ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ پھر جن کے ہاں جا کر قیام کرتے ہیں اُن کو بھی تکلیف میں ڈالتے ہیں۔'

اس سوال کے جواب میں ان کے گاؤں کے زیادہ تر لوگ کہاں منتقل ہو رہے ہیں، شمس الحسن کہتے ہیں کہ 'ہر کوئی اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کے ہاں جا رہا ہے۔ ہمارا خاندان حافظ آباد کے علاقے سکھیکی کی جانب ہجرت کر رہا ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'آنے والا سیلاب ایک بڑا سیلاب ہے، ہم اس کے بارے ویسی ہی باتیں سن رہے ہیں جو دس بارہ سال پہلے آنے والے سیلاب کے بارے سنی تھیں جس نے ہمارے گاؤں اور اردگرد کے علاقوں میں کافی زیادہ نقصان کیا تھا۔'

وزیرِ آباد میں چناب کی پٹی پر ٹاہلی والا گاؤں کے رہائشی اپنے گھروں کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 'ہمسائے سے ہماری آنکھ مچولی لگی رہتی ہے۔'

واضح رہے کہ وزیرآباد اور اس کے گردونواح بدترین سیلاب کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ دریائے چناب اور ملحقہ نالوں میں آنے والے سیلاب نے نہ صرف شہری زندگی مفلوج کر دی بلکہ درجنوں دیہات بھی متاثر کر ڈالے ہیں۔

دیہی علاقوں لوہری والا، ٹاہلی والا، نوگراں، دولت آباد، ہری پور، رانا بہرام، ٹھٹھی بلوچ اور فقیر انوالی مکمل طور پر سیلاب کی زد میں آ چکے ہیں۔

ٹاہلی والا کے رہائشی دلشاد احمد تارڑ جو مقامی زمین دار ہیں، کہتے ہیں کہ 'ہم چناب کے کنارے پر موجود ہیں۔ چناب کی اس پٹی پر تیرا گاؤں ہیں۔ ہم سب خطرے میں ہیں مگر اپنے گھروں کو کیسے چھوڑیں؟'

'ہمارا گاؤں اُونچے مقام پر ہے اور ابھی پانی گھروں میں داخل نہیں ہوا مگر چاروں طرف سے گھیر چکا ہے۔ زیادہ تر ڈیرے متاثر ہوئے ہیں اور اُن میں جو اکا دُکا لوگ رہ گئے تھے، وہ یا تو پھنس چکے ہیں یا اُن کے جانور پھنسے ہوئے ہیں۔ دریا کے ساتھ ہماری آنکھ مچولی لگی رہتی ہے۔'

'پانی گھر میں داخل ہوا تو بچوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا'

'وہ قیامت کی رات تھی جو ہم نے جاگ کر گزاری، کئی بار تین، چار فٹ لمبے سانپ بھی قریب سے گزرے، ہم یہی سمجھے کہ شاید موت قریب آ گئی ہے اور ہماری قسمت میں ایسے ہی مرنا لکھا ہے۔'

یہ کہنا ہے وسطی پنجاب کے ضلع وزیر آباد میں دریائے چناب کے قریب واقع گاؤں رانا بہرام کی رہائشی سکینہ بی بی کا جن کے خاندان کو ریسکیو 1122 کے اہلکاروں نے بدھ کی صبح چھ سے سات بجے کے دوران ریسکیو کر کے ریلیف کیمپ میں پہنچایا تھا۔

انڈین ڈیموں سے پانی کے اخراج کے بعد پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے والے ادارے این ڈی ایم اے کی جانب سے قائم کردہ نیشنل ایمرجنسیز آپریشن سینٹر نے صوبہ پنجاب کے تین دریاؤں چناب، راوی، اور ستلج کے حوالے سے ایک ایمرجنسی الرٹ جاری کیا ہے۔

نیشنل ایمرجنسیز آپریشن سینٹر کا کہنا ہے کہ اس وقت ان تینوں دریاؤں میں غیر معمولی سیلابی صورتحال کا سامنا ہے۔

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے چھ اضلاع میں سیلابی صورتحال کے پیشِ نظر محکمہ داخلہ پنجاب نے چھ اضلاع میں فوج کی تعیناتی کے لیے وفاقی وزارت داخلہ کو مراسلہ لکھا تھا۔

خیال رہے پاکستان میں مون سون کی بارشوں اور سیلاب کے سبب حالیہ مہینوں میں 800 سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

رانا بہرام کی رہائشی سکینہ بی بی بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر کچھ عرصے سے بیمار ہیں اور ان کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان میں دو بہو اور تین نواسے ہیں۔

منگل اور بدھ کی درمیانی شب ان کے خاندان کے تمام 14 افراد اپنے مکان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ قریبی گھروں کے لوگ سرِ شام ہی اپنے گھر خالی کر کے چلے گئے تھے لیکن وہ اس ساری صورتحال سے لاعلم تھے۔

'یہ رات دس سے گیارہ بجے کا وقت ہوگا جب چناب کا پانی گھر کے اندر داخل ہوا، ہم گھبرا کر اٹھ گئے، بچوں نے اس ناگہانی صورتحال پر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔'

'ہم سب چھت کی طرف دوڑے چونکہ ہمارا مکان کچا ہے تو ڈر تھا کہ شاید چھت پانی کا تیز بہاؤ برداشت نہیں کر پائے اور گر جائے۔'

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو

کرنے کے لیے کلک کریں

تاہم سکینہ بی بی کے مطابق ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔ 'پانی ہمارے قریب سے گزر رہا تھا اور ہم بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔'

سکینہ بی بی نے بتایا کہ ان کے بیٹے کا موبائل فون گھر کے صحن میں پڑا رہ گیا اور پانی کے ساتھ ہی بہہ گیا۔

'اس دوران ہم نے کئی سانپوں کو قریب سے گزرتے دیکھا، اللہ نے ہماری جان محفوظ رکھی اور یہی ڈر تھا کہ اگر چھت یا دیوار گر گئی تو ہمارے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔'



انھوں نے بتایا کہ صبح کا سورج طلوع ہونے والا تھا جب انھیں دو کشتیاں نظر آئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کشتیوں پر سوار افراد کے ہاتھوں میں ٹارچ لائٹس تھیں اور وہ دور بین سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

'میرے بیٹوں نے اپنی قمیضیں اتار کر لہرانی شروع کر دیں اور ہم سب نے شور بھی مچایا، ہماری زندگی ابھی باقی تھی کہ ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا۔'

انھوں نے بتایا کہ یہ ریسکیو 1122 کے لوگ تھے جنھوں نے انھیں وہاں سے نکال کر وزیر آباد شہر کے قریب ریلیف کیمپ میں پہنچایا۔

'دریا کو ظالم ہوتے ہوئے دیر نہیں لگتی'

ضلع سیالکوٹ کے گاؤں خان مسلم کے رہائشی غلام رسول دودھ اور جانوروں کی فروخت کے کاروبار سے منسلک ہیں لیکن سیلاب ان کا سب کچھ بہا کر لے گیا۔

وہ بتاتے ہیں کہ سیلاب سے قبل 'گاؤں والوں نے کہا کہ آپ بھی آ جائیں، ہم نے کہا کہ آپ لوگ ایسے ہی ڈر رہے ہیں کچھ نہیں ہونا اور اگر ہم گھروں سے نکلیں گے تو چور ڈاکو ہمارے گھر لوٹ کر لے جائیں گے، کچھ گھنٹوں بعد جب سیلابی پانی آیا تو ہمارے جانور اور گھر کا سارا سامان دیکھتے ہی دیکھتے بہہ گیا اور ہم کچھ نہ کر سکے۔'

غلام رسول کا گاؤں دریائے چناب پر تعمیر ہیڈ مرالہ سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ انھیں اور ان کی فیملی کو ایک فلاحی ادارے کے کارکنان تین گھنٹے کی مسلسل کوششوں کے بعد آج صبح محفوظ مقام پر منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غلام رسول بتاتے ہیں کہ ان کے پاس ڈیرے میں سات بھینسیں اور گیارہ بچھڑے تھے لیکن سیلابی ریلا تمام جانور بہا کر لے گیا۔

گذشتہ رات کے بارے میں وہ بتاتے ہیں کہ شام چھ، سات بجے تک سب کچھ ٹھیک تھا، پھر علاقے کی مسجد سے اعلان ہوا کہ لوگ گھروں سے باہر نکل جائیں کیونکہ ہیڈ مرالہ سے پانی باہر آنا شروع ہو گیا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ پولیس کی ایک گاڑی بھی گاؤں میں آ گئی اور انھوں نے بھی ایسا ہی اعلان کرنا شروع کر دیا۔ غلام رسول کے مطابق اس دوران گاؤں کے بہت سارے لوگ اپنے گھروں کو تالے لگا کر جا چکے تھے۔

'ہمارے ہمسائے عمر فاروق نے مجھے کہا کہ آپ لوگ بھی جلدی سے نکل چلو۔ میں نے کہا کہ تم پاگل ہو گئے ہو کیا، میں جانوروں کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔'

'پھر اس نے کہا کہ بیوی بچوں کو گاؤں سے باہر کسی رشتے دار کے گھر بھجوا دو، میں نے کہا کہ میرا پکا مکان ہے، کچھ نہیں ہوگا۔'

غلام رسول بتاتے ہیں کہ رات دس بجے تک سارا گاؤں خالی ہو چکا تھا کہ اس دوران اچانک سے پانی اس شدت سے آیا کہ ہمارا ڈیرہ بہہ گیا اور سارے جانور دیکھتے ہی دیکھتے پانی کے ساتھ بہہ گئے۔



'میں، میری بیوی اور ساتوں بچے مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنی بے بسی کا تماشا دیکھتے رہے، بیوی بچوں نے رونا شروع کر دیا کہ اب کیا ہوگا اور ہم کہاں سے کھائیں گے۔'

غلام رسول کے مطابق ان کے بیٹے فرحان نے اپنے دو تین دوستوں کو موبائل فون پر بتا دیا تھا کہ ہم پھنس چکے ہیں اور پانی سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس پر اس کے دوستوں نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ، ان کے بیٹے نے کچھ واٹس ایپ گروپوں میں بھی اپنی لوکیشن شیئر کی



ان کا کہنا ہے کہ بالآخر آج (بدھ کی صبح) صبح ایک فلاحی ادارے الخدمت فاؤنڈیشن کے رضا کار ہماری مدد کو پہنچے، جنھوں نے سیڑھیاں لگا کر ہمیں چھت سے اتارا اور کشتی کے ذریعے پانی سے باہر نکالا۔

'میرے آباؤ اجداد دریائے چناب کے قریب بسے اس گاؤں میں آباد تھے، اس وجہ سے میں بھی یہاں رہتا ہوں۔ لیکن اب میں سب کو یہی کہتا ہوں کہ دریا کے قریب علاقے میں کبھی گھر نہیں بنانا چاہیے، دریا کو ظالم ہوتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔'

'ٹھٹھی بلوچ کو بلوچوں نے آباد کیا، چناب نے اجاڑ دیا'

ٹھٹھی بلوچ تاریخی اہمیت کا حامل گاؤں ہے لیکن دریائے چناب کے پانی نے گاؤں کی کوئی چیز سلامت نہیں رہنے دی۔'

یہ کہنا ہے ٹھٹھی بلوچ کے شہری دل نواز خان کا جن کا خاندان تو بروقت گاؤں سے نکل گیا تھا لیکن وہ اپنے گھر اور مال مویشیوں کی حفاظت کے لیے پیچھے رک گئے تھے لیکن انھیں اپنا یہ فیصلہ قدرے مہنگا پڑ گیا۔

وہ نہ تو اپنا گھر اور جانور بچا سکے اور اوپر سے انھیں سیلابی پانی سے نکلنے کے لیے کافی مشکل حالات سے گزرنا پڑا۔

دل نواز کہتے ہیں کہ گاؤں کے کچھ لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو تو گاؤں سے دور کسی رشتے دار کے گھر بھجوا دیں گے لیکن خود یہاں موجود رہیں گے تاکہ گھروں اور جانوروں کی حفاظت کی جا سکے۔



'کسی کو اندازہ نہ تھا کہ دریا بپھر جائے گا اور پانی دریا سے باہر آ جائے گا۔'

ٹھٹھی بلوچ میں پانی اس قدر تیزی سے آیا کہ سب گھبرا گئے، کوئی دیوار پر چڑھا، کوئی چھت پر اور جو لوگ درخت پر چڑھے وہ جلد ہی درخت ٹوٹ جانے کے باعث پانی کے ساتھ بہہ گئے۔ پانی اس قدر زیادہ تھا کہ گھروں اور ڈیروں کی چھتیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔'

دل نواز خان نے بتایا کہ ساری رات ڈرتے ڈرتے گزری۔ ان کے مطابق صبح تقریباً پانچ بجے ریسکیو 1122 کی دو ٹیمیں نظر آئیں جو لوگوں کو کشتی کی مدد سے ریسکیو کر رہے تھے۔

'میں بھی ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا جنھوں نے مجھے سوہدرہ کے ریلیف کیمپ میں پہنچایا۔'

ٹھٹھی بلوچ کو بلوچوں نے آباد کیا تھا لیکن اب اسے چناب نے اجاڑ دیا۔'

وہ پوچھتے ہیں کہ گاؤں والوں کے نقصانات کو کون پورا کرے گا؟ 'ہم بلوچ ہیں اور خوددار ہیں، ہمیں کسی سے مانگنے کی عادت نہیں اور سرکاری ادارے مانگے بغیر نقصان کا ازالہ نہیں کرتے۔'

گوجرانوالہ کی ضلعی انتظامیہ نے دریائے چناب سے متاثرہ علاقوں کی جو لسٹ جاری کی ہے اس کے مطابق سوہدرہ، رسول نگر، رتووالی شمال، گورالی، کوٹ کہلوان، چک علی شیر، جھامکے، برج دھلا، برج چیمہ، گڑھی غلہ، کوٹ رانا اور ٹھٹھی بلوچ کے علاقے سیلاب سے متاثر ہوئے ہیں۔

ڈپٹی کمشنر نوید احمد کے مطابق سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں 13 ریلیف کیمپس قائم کیے گئے ہیں اور ریسکیو اور ضلعی انتظامیہ نے 24 گھنٹوں کے دوران اب تک 5 ہزار 100 افراد جبکہ 1700 جانوروں کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا جا چکا ہے۔

سندھ کا محکمہ سماجی بہبود "سماجی بربادی" کا شکار

نااہل افسران کی تعیناتیاں، اربوں روپے کی کرپشن اور بھتہ خوری کے انکشافات

کراچی (رپورٹ: راؤ عدنان)

سندھ کا محکمہ سماجی بہبود، جو عوامی خدمت، یتیم بچوں، بزرگوں، خواتین اور فلاحی اداروں کی معاونت کے لیے قائم کیا گیا تھا، اب بدعنوانی، اقربا پروری اور نااہلی کا گڑھ بن چکا ہے۔ محکمہ میں بڑے پیمانے پر کرپشن، غیر قانونی بھرتیاں اور بھتہ خوری کے ایسے انکشافات سامنے آئے ہیں جنہوں نے پورے نظام کی ساکھ کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ڈائریکٹر جنرل کی پوسٹ خالی، محکمے کا نظام مفلوج

ذرائع کے مطابق محکمہ سماجی بہبود کے ہیڈ کوارٹر میں ڈائریکٹر جنرل کی پوسٹ گزشتہ 8 ماہ سے خالی ہے۔ اس دوران اہم منصوبے اور اسکیمیں مکمل طور پر تعطل کا شکار ہیں۔ چار بڑے کمیشن چیریٹی کمیشن، سینئر سٹیزن ایکٹ کمیشن، آرفن ایکٹ کمیشن اور سندھ سوشل ویلفیئر کونسل آج تک دوبارہ نوٹیفائی نہیں ہو سکے۔ ان کمیشنز کا بجٹ سو فیصد خرچ ظاہر کر دیا گیا، لیکن زمینی سطح پر پیش رفت صفر ہے۔

جعلی اسناد پر بھرتی سے ڈپٹی ڈائریکٹر تک

محکمہ کے اندرونی ذرائع نے انکشاف کیا کہ ایک افسر خیر محمد کلوڑ، جو مبینہ طور پر جعلی اسناد پر بھرتی ہوا تھا، صرف چند برسوں میں رشوت کے زور پر ترقی کی منازل طے کرتا ہوا ڈپٹی ڈائریکٹر ایڈمن بن گیا۔ اس افسر پر الزام ہے کہ اس نے ضلع گھوٹکی میں غیر قانونی بھرتیاں اور کروڑوں روپے کی کرپشن کی، اور اب کراچی ہیڈ کوارٹر میں بھی مالی بے ضابطگیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

اینٹی کرپشن انکوائری بھی دب گئی

محکمہ میں ہونے والی غیر قانونی بھرتیوں اور کرپشن پر اینٹی کرپشن اسٹیبلشمنٹ نے انکوائری شروع کی تھی، تاہم ذرائع کے مطابق پچاس



بھتہ خوری کا منظم نیٹ ورک

ذرائع کا کہنا ہے کہ سندھ بھر کے دفاتر سے ماہانہ بنیادوں پر بھتہ وصول کیا جا رہا ہے۔ تحصیل سطح کے دفاتر سے پچیس ہزار روپے، ضلعی دفاتر سے پچاس ہزار اور بڑے دفاتر سے ایک لاکھ روپے ماہانہ "اوپر" بھیجا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ رقوم اعلیٰ افسران اور صوبائی وزیر کے قریبی حلقوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔

این جی اوز اور فلاحی ادارے بھی نہیں بچے

محکمہ کے تحت رجسٹرڈ ہونے والی این جی اوز کی رینیول اور چیریٹی سرٹیفکیٹس کے اجراء پر بھی بھاری رقوم بٹوری جا رہی ہیں۔

این جی اوز کی سالانہ رینیول کے لیے 30 سے 50 ہزار روپے "ریٹ" مقرر ہیں۔

چیریٹی سرٹیفکیٹ جاری کرنے پر 40 ہزار روپے رشوت طلب کی جاتی ہے، حالانکہ سرکاری فیس صرف چند ہزار روپے ہے۔

تبادلوں اور تقرریوں کے لیے چھوٹے ملازمین سے پچیس ہزار جبکہ افسران سے ایک لاکھ روپے تک رشوت وصولی کے انکشافات بھی سامنے آئے ہیں۔

اثاثوں میں غیر معمولی اضافہ

ذرائع کے مطابق مذکورہ افسر، جو 2009 میں ایک عام ملازم کے طور پر بھرتی ہوا تھا اور جس کے پاس موٹر سائیکل تک نہیں تھی، آج چار قیمتی گاڑیوں کا مالک ہے۔ حال ہی میں اس نے ڈھائی کروڑ روپے مالیت کی نئی فور چونر گاڑی بھی خریدی ہے۔ اس غیر معمولی اثاثہ جات میں اضافے نے بھی سنگین سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔



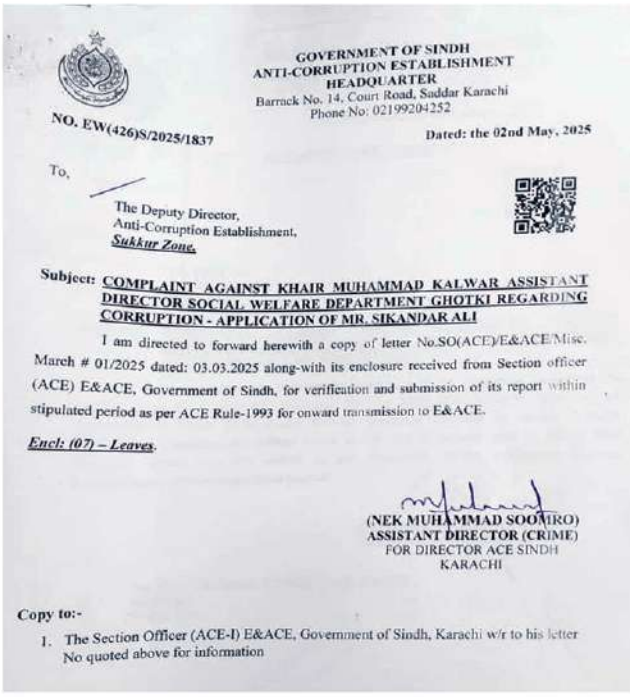
لاکھ روپے رشوت کے عوض یہ انکوائری بھی دبا دی گئی۔ اس واقعے نے محکمہ کے اندر مافیا کی مضبوط گرفت کو مزید عیاں کر دیا ہے۔

ملازمین اور عوام شدید بے چینی میں مبتلا

سینئر افسران اور عام ملازمین دونوں ہی اس صورت حال سے سخت پریشان ہیں۔ ترقی نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹے ملازمین مایوس ہیں جبکہ عوامی تنظیمیں اپنی رجسٹریشن اور رینیول کے لیے بھاری رشوت کے تقاضوں پر چیخ و پکار کر رہی ہیں۔

مطالبہ برائے فوری ایکشن

سیاسی اور عوامی حلقوں نے وزیرِ اعلیٰ سندھ مراد علی شاہ اور چیئرمین بلاول بھٹو زرداری سے مطالبہ کیا ہے کہ صوبائی وزیر طارق علی ٹالپور اور ان کے قریبی افسران کی مبینہ کرپشن، بھتہ خوری اور من مانیوں کا نوٹس لیا جائے، بصورت دیگر محکمہ سماجی بہبود اپنی افادیت مکمل طور پر کھو بیٹھے گا۔



GOVERNMENT OF SINDH
ANTI-CORRUPTION ESTABLISHMENT
HEADQUARTER
Barrack No. 14, Court Road, Saddar Karachi
Phone No: 02199204252

NO. EW(426)S/2025/1837 Dated: the 02nd May, 2025

To,

The Deputy Director,
Anti-Corruption Establishment,
Sukkur Zone.

Subject: COMPLAINT AGAINST KHAIR MUHAMMAD KALWAR ASSISTANT DIRECTOR SOCIAL WELFARE DEPARTMENT GHOTKI REGARDING CORRUPTION - APPLICATION OF MR. SIKANDAR ALI

I am directed to forward herewith a copy of letter No.SO(ACE)/E&ACE/Misc. March # 01/2025 dated: 03.03.2025 along-with its enclosure received from Section officer (ACE) E&ACE, Government of Sindh, for verification and submission of its report within stipulated period as per ACE Rule-1993 for onward transmission to E&ACE.

Encl: (07) – Leaves.

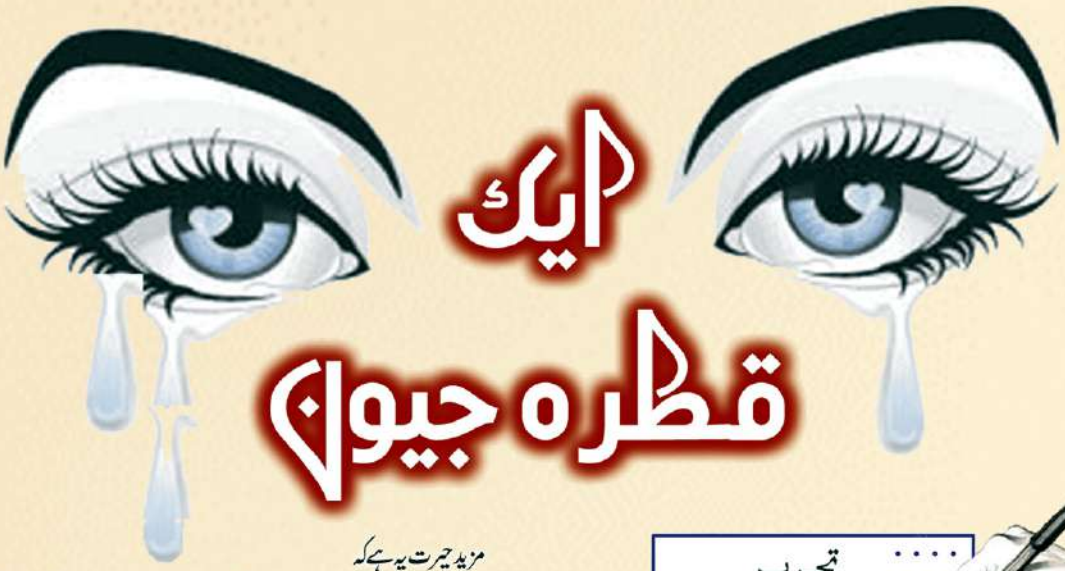
(NEK MUHAMMAD SOOMRO)
ASSISTANT DIRECTOR (CRIME)
FOR DIRECTOR ACE SINDH
KARACHI

Copy to:-

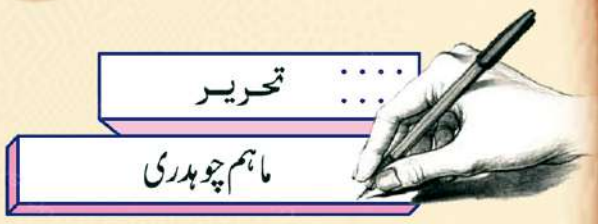
1. The Section Officer (ACE-I) E&ACE, Government of Sindh, Karachi w/r to his letter No quoted above for information



کراچی (رپورٹ۔اسلم شاہ) ساڑھے تین کروڑ سے زائد کی آبادی والے شہر کراچی میں اختیارات کی جنگ جاری ہے، جواب دنیا کا منفرد و انوکھا شہر بن گیا ہے جس میں بیک وقت 21 میونسپل سروسز کے ادارے فرائض ادا کررہے ہیں۔ لینڈ کنٹرول بیک وقت 23 اداروں کو حاصل ہے جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ ہے نہ کوئی مشاورت کی جاتی ہے۔ چیئنج آف کمانڈ کی کراچی کو اشد ضرورت ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ ہو، اختیارات کئی ادارے کنٹرول کررہے ہیں۔ بارش، سیلابی ریلا، طوفان، ہنگامی حالات، ریلیف، آبادکاری اور کراچی کے ندی نالے کی صفائی کا مسئلہ ہو بیک وقت کئی ادارے کام کررہے ہوتے ہیں۔ وفاقی و عسکری اور صوبائی حکومتوں کے ساتھ KW&SCKMC، کمشنر کراچی، 7 ڈپٹی کمشنرز، 34 ایڈیشنل کمشنروں کے علاوہ کچی آبادی، گوٹھ آباد، ریونیو، آبادکاری، سندھ ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی اور سندھ پولیس بیک وقت کام رہے ہیں۔ میئر کراچی مرتضیٰ وہاب کو کراچی کے 32 فیصد لینڈ کنٹرول کے اختیارات حاصل ہیں۔ تاہم قیام پاکستان سے قبل میئر کراچی پورے کراچی کے نگران تھے۔ وقت کے ساتھ اختیارات سکڑتے چلے گئے اور وقت کے ساتھ مختلف اداروں کا قبضہ شروع ہوگیا۔ کراچی کے مسائل کے حل کے بجائے سندھ کے حکمرانوں نے الٹا مذاق بنا رکھا ہے۔ میئر کراچی کے علاوہ KW&SCA اور سندھ سولڈ ویسٹ مینجمنٹ اتھارٹی کے 100 ارب روپے زائد بجٹ کے اختیارات کے مالک ہیں، اس کے باوجود نہیں سندھ سرکار کی مکمل حمایت حاصل ہے اسی لیئے وہ اصل کارکردگی کے بارے میں بتانے کے بجائے اپنی چرب زبان استعمال کرکے عوام کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان کے 18 سالہ طویل دور اقتدار میں ریٹائرڈ ملازمین کے واجبات دلوانے میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں (حالانکہ ریٹائرڈ ملازمین انتہائی مظلوم ہوتے ہیں)۔ کراچی کے چھوٹے بڑے 512 نالوں کی صفائی اور دیکھ بھال میں بھی مکمل ناکام رہی ہے۔ سندھ حکومت نے KMC کو 128 سڑکیں، فٹ پاتھ، گرین بیلٹ، مڈلائن، چورنگی، چوک، بجلی کے کھمبے، ریتی بجری، ملبہ، تجاوزات سمیت دیگر آمدن کا ہدف دے دیا تھا۔ تجاوزات سیل کے افسران کا کہنا ہے کہ 22 سڑکوں پر ٹاؤن انتظامیہ نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے جسے میئر کراچی بچانے میں مکمل طور پر ناکام ہوگئے ہیں اور جواب دینے کے بجائے اس سلسلے میں مکمل خاموشی اختیار کرلی ہے۔ سندھ سرکار کے KMC کے کئی شعبہ جات پر قبضہ ہونے پر بھی ایک احتجاج ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔ میئر کراچی میئر کے سرکاری بنگلے پر صوبائی وزیر بلدیات سے قبضے کو چھڑوانے میں ناکام ہوچکے ہیں، جس کے نتیجے میں کراچی کے مسائل حل ہونے کے بجائے مسائل اور عوامی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ کئی مسائل با آسانی حل ہوسکتے ہیں بشرط ہے کہ ایک ادارہ دوسرے کے ساتھ باہمی رابطہ، تعاون اور مشاورت سے ہی ہوتا ہے لیکن مسائل جوں کے توں موجود ہیں اور مستقبل میں بھی اسی طرح رہنے کی توقع ہے۔ کراچی کے موجودہ حالات کے پیش نظر اب سنگل کمانڈ کنٹرول کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ بلدیہ عظمیٰ کراچی کا وجود 148 سال قبل عمل میں آیا تھا لیکن اب بلدیہ عظمیٰ کراچی کا وجود خطرے میں نظر آرہا ہے۔ ایس ایل جی او ایکٹ 2013 اور ترمیمی ایکٹ 2021ء کے بعد ادارے کے اختیارات سلب کردیئے گئے ہیں اور اب مالیاتی اور انتظامی امور میں بھی سندھ حکومت کے بلدیاتی اور دیگر محکموں نے قدغن لگانا شروع کردیا ہے۔ بلدیہ عظمیٰ کراچی کے لینڈ ڈپارٹمنٹ کی سرگرمیاں معطل رہیں بعض دور میں پابندی کے دوران تمام کام بند رہا تھا۔ ریونیو اور ریکوری کے مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوسکے۔ نجی اداروں کے نام پر اپنے منظور نظر افراد کو نوازنے کا سلسلہ عروج پر پہنچ چکا ہے۔ کے الیکٹرک سے زمین کے بدلے میں ملنے والے تین ارب روپے تاحال KMC کے اکاونٹ میں نہیں پہنچ سکے بلکہ سندھ سرکار کے اکاؤنٹ میں پہنچ گئے ہیں اس پر اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا جارہا ہے۔ کراچی کا پہلا ماسٹر پلان 1974ء میں پیپلز پارٹی کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ ممتاز علی بھٹو نے اس پلان پر عملدرآمد کے لئے 30 کروڑ روپے فنڈز کے اجراء سے صاف انکار کردیا ہے جبکہ دوسرا ماسٹر پلان 2009ء میں سابق ناظم کراچی مصطفیٰ کمال کے دور میں تیار کیا گیا تھا لیکن پھر پیپلز پارٹی کی کراچی پلان پر عملدرآمد سے انکار کردیا۔ اس پلان میں 2050ء تک کا احاطہ کیا گیا تھا۔ نئے پلان میں کراچی کے دو ائیر پورٹ، 29 مارکیٹوں کی سپر بائی پر منتقلی اور ہاکس بے ٹرک اڈے کو شفٹ کرنا شامل ہیں۔ گذشتہ 17 سال میں ایک بھی منصوبہ شروع نہیں کیا گیا ہے۔ ملک کی طرح محروم رہنے والا انٹرسٹی بس ٹرمینل کے 100 ایکڑ مختص سپر ہائی وے کی زمین پر سندھ سرکاری کی ایما پر مکمل قبضہ ہوچکا ہے۔ نیشنل ہائی وے اور حب ریور روڈ کی زمینوں پر قبضہ ہوچکا ہے اور پیپلز پارٹی کی متعصب سرکار نے کراچی کے مدر ڈپارٹمنٹ کراچی ماسٹر پلان کو برباد کرنے کے لیئے پہلے ماسٹر پلان کو سندھ کے ایک ذیلی محکمہ، سندھ (کراچی) بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ماتحت کردیا گیا تھا اور اب ماسٹر پلان ڈپارٹمنٹ کی افادیت ختم کرنے کے لئے سندھ ماسٹر پلان بنا کر سندھ کا ایک بدعنوان ادارہ بنا دیا گیا ہے (سندھ حکومت کا مقصد یہی ہے کہ ماسٹر پلان بنایا ہی نہ جائے تاکہ کراچی کی قیمتی زمینوں پر باآسانی قبضہ کیا جاسکے)۔ محکمہ ماسٹر پلان میں ٹیکنیکل افسران کی تقرری کے بجائے محکمہ میں سفارشی اور نااہل افراد کو سندھ کے دیگر محکموں سے تعینات کردیا گیا ہے۔ محکمہ ماسٹر پلان میں ایک ٹیکنیکل افسر تعینات ہے جس کو کوئی ذمہ داری نہیں دی گئی ہے۔ اسی طرح وفاقی حکومت کے محکمہ نیشنل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی ہنگامی نوعیت کے تمام کام اسی ادارے کے پاس ہیں لیکن وہ صرف پیشگی اطلاعات کے علاوہ کراچی کے تین نالوں بشمول گجر نالہ، محمود آباد و منظور کالونی اور اورنگی نالہ کی منتقلی کے ساتھ جو ترقیاتی کام تھے وہ ادھورے منصوبے بن گئے۔ منصوبے میں نالے کی تعمیرات، سڑک بنانے، فٹ پاتھ کی تعمیرات، اسٹریٹ لائٹس، مختلف مقامات پر ملانے کے پلوں کی تعمیرات کے ساتھ گرین بیلٹ (درخت لگانے) کا منصوبہ شامل تھا لیکن عملدرآمد نہ ہونے کے باوجود وفاقی نہ صوبائی حکومت نے اس پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر کیا اور نہ ہی کسی سول سوسائٹی نے ناراضگی کا اظہار کیا نہ اس پر ایک لفظ تک بولا اور نہ ہی کسی فورم سے کوئی احتجاج کیا گیا۔ کراچی میں وفاقی و عسکری اداروں میں چھ کنٹونمنٹ بورڈ (ملیر، کورنگی، منوڑا، کلفٹن، فیصل، صدر کراچی)، چھ عسکری (دن سے چھ)، PAF، نیوی، عسکری لینڈ ڈیفنس ہاوسنگ اتھارٹی، سول ایوی ایشن، پاکستان ریلوے، پورٹ قاسم اتھارٹی، کراچی پورٹ ٹرسٹ، ایکسپورٹ پروسسنگ زون، پاکستان اسٹیل ملز اور دیگر وفاقی، صوبائی اور عسکری ادارے اپنے اختیارات سے تجاویز کرگئے ہیں۔ کراچی میں چھ کنٹونمنٹ بورڈز کا قیام 1925ء ایکٹ کے تحت کیا گیا تھا۔ یہ شہری آبادی 35 ملین، آبادی کا تناسب 3.6 فیصد سالانہ، شہری علاقہ 3600 اسکوائر کلومیٹر میں 1800 اسکوائر کلومیٹر، سڑک نیٹ ورک 000,10 کلومیٹر۔ 1846ء میں بلدیہ کراچی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 1853ء کو KMC میونسپل کمیٹی، 1933ء میں میونسپل کارپوریشن بن گیا۔ 9.30 بلدیہ عظمیٰ کراچی، 9.3 پرائیویٹ لینڈ، 0.4 پاکستان ریلوے، 5.1 پورٹ قاسم اتھارٹی، 8.2 کراچی پورٹ ٹرسٹ، 5، ڈیفنس ہاوسنگ اتھارٹی، 5.0 وفاقی حکومت، 1.2 چھ کنٹونمنٹ بورڈز، 8.1 کوآپریٹیو ہاوسنگ سوسائٹیز، 7.2 صنعتی زون، 5. 6 لیاری ڈیولپمنٹ اتھارٹی، 0. 6 سندھ انڈسٹریز اسٹیٹ، 7.17 سندھ حکومت، 9.3 ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی، 7.20 کیتھر نیشنل پارکس، منصوبہ بندی، ترقیات اور دیکھ بھال، پلوں، فلائی اوور، انڈر پاسز، برج، سندھ سولڈ ویسٹ بورڈ، ماسٹر پلان، بلڈنگز کنٹرول اتھارٹی، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ، ایجوکیشن اور ہسپتال، انویسٹمنٹ اینڈ پروموشن انٹرپرائز، اسٹریٹ لائٹ، برساتی نالوں، خصوصی ترقیاتی پروگرام، مشاورت، نگرانی اور سرپرستی، 5 فیصل کنٹونمنٹ بورڈز، 6 کلفٹن کنٹونمنٹ بورڈز، 7 کراچی کنٹونمنٹ بورڈز، 8 کورنگی کریک کنٹونمنٹ بورڈ، 9 ملیر کنٹونمنٹ بورڈز، 10 منوڑا کنٹونمنٹ بورڈز، 11 بورڈ آف ریونیو سندھ، 12 سندھ کچی آبادی اتھارٹی، 13 گوٹھ آباد اسکیم، 14 سول ایوی ایشن، 15 پاکستان اسٹیل ملز، 16 کراچی پورٹ ٹرسٹ۔ کے پی ٹی کا قیام 1887ء میں ہوا تھا۔ 133 سال ہوچکے ہیں، 17 پورٹ قاسم اتھارٹی، 18 پاکستان ریلوے، 19 ہاوسنگ سوسائٹیز، 20 سائٹ لمیٹڈ، سائٹ انڈسٹریز ٹریڈنگ اسٹیٹ، جس کا سندھ اسمبلی سے 2 جون 1947ء کو قیام عمل میں لایا گیا اور کمپنیز ایکٹ 1984ء وجود میں لایا گیا۔



ایک قطرہ جیون



تحریر
ماہم چوہدری

کیا آپ جانتے ہیں کہ انسان کا آنسو وہ جو درد میں ٹپکتا ہے، یا خوشی میں بہہ جاتا ہے محض پانی کا قطرہ نہیں ہوتا؟

بلکہ ایک آنسو میں وہ کچھ بند ہوتا ہے جو دل زبان پر نہیں لا سکتا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سائنس کے مطابق بھی" ہر کیفیت کا آنسو کیمیکل طور پر الگ ہوتا ہے"

یعنی جو آنسو آپ غم میں بہاتے ہیں، وہ خوشی والے آنسوؤں سے مکمل طور پر مختلف ہوتے ہیں۔

ان میں الگ پروٹینز، الگ ہارمونز، الگ توانائی ہوتی ہے۔

اب آپ غور کریں!

جب آپ روتے ہیں تو آپ دراصل جسم، دماغ اور روح کے زہریلے بوجھ کو باہر نکال رہے ہوتے ہیں۔

ایک قطرہ آنسو!

اُس بیماری کا خاتمہ بھی خاتمہ کر دیتا ہے، جو دوا نہیں کر سکتی۔

آنسو میں وہ سکون ہے جو کسی دنیاوی آواز و کلام میں نہیں ہے۔

آنسو میں ایسا اخراج ہے جو آدمی و انسان کو روحانی طور پر ہلکا کر دیتا ہے۔

مزید حیرت یہ ہے کہ

جو لوگ روتے نہیں، وہ دنیاوی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، دل تک پتھر کی مثل ہو جاتے ہیں۔

دل کے مریض، ذہنی دباؤ کا شکار افراد، اور وہ لوگ جو جذبات دبا کر جیتے ہیں، وہ پس پردہ جسم کے اندر ایک" خاموش زہر" پال رہے ہوتے ہیں۔

اور اب غور و فکر کیجیے۔

قرآن میں جہاں آنکھوں کے بارے میں بات آئی۔ وہاں روتی ہوئی آنکھوں کا بیان ہوا۔

(مُقدس قرآن میں المائدہ کی آیت نمبر 83 دیکھیں)

یعنی آنسو نہ صرف جسمانی شفاء کا ذریعہ ہیں، بلکہ روحانی عروج کا دروازہ بھی۔

آنکھ کا وہ قطرہ جو رات کے سناٹے میں، قلبی درد کے ساتھ، اللہ رب العزت کے حضور گرتا ہے۔

وہی آنسو تقدیر کی بہترین تبدیلی کا سبب ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں!

جب آپ محسوس کریں کہ آپ کا دل ٹوٹا ہے، تو رکیئے مت..... رونے دیجیے خود کو۔

وہ ایک قطرہ..... ایک نعمت ہے،

ایک شفا ہے۔

اور کبھی کبھی..... وہی ایک قطرہ جیون کے بہترین بدلاؤ کا سبب ہو جاتا ہے۔





کراچی کے سرکاری اسپتالوں میں بستروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر، عملے کی بھی قلت







غریب مریضوں کی اکثریت اسپتالوں میں اپنے آپریشن کے لیے کئی کئی ماہ کا انتظار کرتے ہیں

کراچی کی 3 کروڑ آبادی والے شہر کے لیے سرکاری اسپتالوں میں بستروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہیں جس کے باعث ہزاروں مریض اسپتال کے باہر راہداریوں میں رہنے پر مجبور ہیں جبکہ صاحب استطاعت مریض نجی اسپتالوں کا رخ کرتے ہیں اور غریب مریضوں کی اکثریت اسپتالوں میں اپنے آپریشن کے لیے کئی کئی ماہ کا انتظار کرتے ہیں۔

اندرون سندھ اور بلوچستان سے آنے والے مریضوں کی بڑی تعداد اسپتالوں کے باہر فٹ پاتھوں پر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ اپنے قیام کے لیے ہوٹل کرائے پر لے لیں، اس وقت کراچی کے 9 سرکاری اسپتالوں میں مجموعی طور پر بستروں کی تعداد ساڑھے 6 ہزار سے زائد ہے اور وینٹی لیٹر کی تعداد 250 سے زیادہ ہے تاہم ان اسپتالوں میں ڈاکٹر اور طبی عملے کی کمی کا سامنا ہے۔

کراچی کے بڑے سرکاری اسپتال ایسے گنجان آبادی میں قائم ہیں جہاں پر ہر وقت ٹریفک کا شدید دباؤ رہتا ہے، اکثر و بیشتر واقعات میں ایمبولینس کے ڈرائیوروں کو مریضوں کو اسپتال پہنچانے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایم اے جناح روڈ پر واقع سول اسپتال، ایس آئی یو ٹی، بزنس سینٹر، ٹراما سینٹر، سروسز اسپتال اور پولیس سرجن آفس بھی اسی روڈ پر واقع ہے، ان سرکاری اسپتالوں کے اطراف میں شاپنگ سینٹرز، تجارتی مراکز اور تجاویزات بھی قائم ہیں جبکہ رفیقی شہید روڈ پر واقع پر این آئی سی ایچ، این آئی سی وی ڈی، جناح اسپتال، جناح سندھ میڈیکل یونیورسٹی، ادویات کا ڈپو، مردہ خانہ قائم ہیں جس کی وجہ سے ان اسپتالوں میں آنے والے مریضوں کو شدید ٹریفک کے دباؤ کا سامنا رہتا ہے۔

سرکاری اسپتالوں میں بستروں کی تعداد کے لحاظ سے بجٹ تقسیم کیا جاتا ہے لیکن دوسری طرف سول، جناح، ایس آئی یو ٹی میں مریض کے دباؤ کی وجہ سے داخلے ملنا مشکل ہوتا ہے، کراچی کے ضلعی اسپتالوں میں 60 فیصد بستر پر مریض داخل رہتے ہیں جبکہ 40 فیصد بستر خالی رہتے ہیں تاہم ان اسپتالوں کی انتظامیہ کا دعویٰ ہے کہ ان کے اسپتال میں 100 فیصد مریض داخل ہوتے ہیں۔

کراچی کے ضلعی اسپتالوں میں صحت کی پرائمری طبی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جبکہ پیچیدہ امراض اور پروسیجر کیس سول یا جناح اسپتال ریفر کیے جاتے ہیں۔ بیشتر ضلعی اسپتالوں میں ڈاکٹروں سمیت پیرا میڈیکل اور نرسنگ عملے کی بھی شدید کمی ہے۔

ان ضلعی اسپتالوں میں اینستھیزیا، نیفرولوجسٹ، پلمونولوجی سمیت دیگر ماہرین تعینات ہی نہیں کیے گئے، ایسے مریضوں کو بھی سول یا جناح بھیجا جاتا ہے جس کی وجہ سے سول، جناح اسپتال میں مریضوں کا دباؤ غیر معمولی ہوگیا ہے۔

ایکسپریس ٹریبون رپوٹ کے مطابق ڈاکٹر روتھ فاؤ سول اسپتال کراچی میں بستروں کی مجموعی طور پر 2 ہزار ہے، 60 سے زائد وینٹی لیٹر اور 25 سے زائد آپریشن تھیٹر ہیں، اسپتال میں شعبہ حادثات میں یومیہ 2 ہزار مریض رپورٹ ہوتے ہیں جبکہ او پی ڈی میں 8 ہزار مریض معائنے کے لیے آتے ہیں۔ اسپتال میں یومیہ 200 مریضوں کو داخلے دیے جاتے ہیں۔

اسپتال کے سربراہ ڈاکٹر خالد بخاری نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ سول

اسپتال کراچی میں سندھ اور بلوچستان سے آنے والے مریضوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے جس کے وجہ سے مریضوں کو داخلے کے لیے بعض اوقات ایک ماہ کا ٹائم دیا جاتا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ اسپتال میں 6 ہزار سے زائد کینسر کے مریض رجسٹرڈ ہیں جنہیں کیموتھراپی کی ادویات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ سول اسپتال کے ماتحت بزنس سینٹر بھی ہے جہاں مجموعی طور پر بستروں کی تعداد 66 ہے، سندھ اور بلوچستان کے لیے یہ کراچی میں یہ واحد بزنس وارڈ موجود ہے جہاں مختلف حادثات میں جھلسے ہوئے مریضوں کو طبی امداد دی جاتی ہے۔

جناح اسپتال میں 2200 بستر جبکہ 40 وینٹی لیٹر موجود ہیں۔ ترجمان جناح اسپتال جہانگیر درانی کے مطابق اسپتال میں 50 فیصد عملے کی قلت کی وجہ سے اسپتال کے بیشتر آئی سی یو غیر فعال ہیں، انہوں نے کہا کہ آئی سی یو کو چلانے کے لیے آئی سی یو ٹیکنیشن کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔

عملے کی قلت کے حوالے سے ترجمان نے بتایا کہ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے گزشتہ 10 سال سے بھرتیاں نہیں کی جاسکیں۔ اسپتال میں بستروں کے مقابلے میں عملے کی تعداد نصف ہے، جناح اسپتال کے آئی سی یو یونٹوں میں عملے کی شدید کمی کی وجہ سے چیسٹ آئی سی یو کے 15 بستروں میں سے صرف 5 بستروں پر مریضوں کو داخل کیا جاتا ہے، اسی طرح سرجیکل آئی سی یو میں 21 بستر ہیں جس میں سے 8 بستروں پر مریضوں کو داخل کیا جاتا ہے۔

شہید بے نظیر بھٹو ایکسیڈنٹ اور ایمرجنسی ٹراما سینٹر ایک ایسی جگہ پر تعمیر کیا گیا ہے جہاں ٹریفک کا شدید دباؤ کا سامنا رہتا ہے، اس کے اطراف میں ایس آئی یو ٹی جبکہ دوسری سول اسپتال کی عمارت قائم ہے، ٹراما سینٹر آنے والے مریضوں اور تیمارداروں کو شدید مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔

ٹراما سینٹر کے ایگزیکیٹو ڈائریکٹر ڈاکٹر صابر میمن نے بتایا کہ ٹراما سینٹر میں مجموعی طور پر 500 بستر موجود ہیں جس میں سے 60 بستر غیر فعال ہیں جبکہ آئی سی یو میں 20 وینٹ ہیں۔

سندھ گورنمنٹ لیاقت آباد اسپتال جو تین ہٹی سے سراب گوٹھ، ناظم آباد سے سوک سینٹر 40 لاکھ آبادی پر ایک اسپتال ہے جس میں صرف 200 بستر، 4 آپریشن تھیٹر اور 16 وینٹی لیٹر موجودہ ہیں۔ اسپتال میں 75 فیصد بستر کی اوکوپنسی رہتی ہے۔ضلع وسطی کے اتنی بڑی آبادی والے اسپتال میں سی ٹی اسکین مشین نہیں جبکہ امراض قلب کے مریضوں کے لیے کوئی بھی ابتدائی طبی سہولت موجود نہیں۔



انہوں نے مزید بتایا کہ لیاقت آباد کی آبادی 40 لاکھ ہے اور اس اسپتال میں سراب گوٹھ سے گرومندر، ناظم آباد، سوک سینٹر سے مریض رپورٹ ہوتے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اسپتال میں آئی سی یو ٹیکنیشن کی شدید کمی کا سامنا ہے۔

کیماڑی، سائٹ ایریا، شیر شاہ اور گارڈن سمیت 45 لاکھ سے زائد کی آبادی والے لیاری جنرل اسپتال میں 700 بستر اور 14 وینٹی لیٹر موجود ہیں جبکہ اسپتال کے 70 فیصد بستر پر مریض داخل رہتے ہیں۔لیاری اسپتال میں یومیہ مختلف او پی ڈی میں 6 ہزار افراد آتے ہیں، آبادی کے لحاظ سے ایک اسپتال میں 700 بستروں کی تعداد بہت کم ہے۔لیاری جنرل اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر جمیل مغل نے بتایا کہ اسپتال میں لسبیلا، حب سے بھی مریض علاج کے لیے آتے ہیں۔ اورنگی ٹاؤن کی 24 لاکھ غیر معمولی آبادی پر سندھ گورنمنٹ قطر اسپتال ہے جہاں مجموعی طور پر بستروں کی تعداد صرف 450 جبکہ 15 وینٹی لیٹر موجود ہیں۔اسپتال کے سربراہ ڈاکٹر رشید خان زادہ نے بتایا کہ اسپتال میں 40 عملے کی کمی کا سامنا ہے،



2012 سے تقرریاں نہیں کی گئیں جس کی وجہ سے اسپتال انتظامیہ اور مریضوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ضلع ملیر کی 31 لاکھ آبادی کے لیے سندھ گورنمنٹ سعود آباد اسپتال ہے جہاں صرف 200 بستروں کی سہولت میسر ہے، اس اسپتال میں بھی کسی قسم کے پروسیجر اور پیچیدہ امراض کا علاج نہیں کیا جاتا اور ایسے مریضوں کو سول یا جناح اسپتال ریفر کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس اسپتال میں کنسلٹنٹ اور دیگر عملے کی کمی کا سامنا ہے۔



ضلع کورنگی 32 لاکھ آبادی پر مشتمل ہے، اس ضلع میں سندھ گورنمنٹ کورنگی اسپتال موجود ہے جہاں بستروں کی تعداد 200 ہے، اس اسپتال میں پرائمری ہیلتھ کیئر والی سہولتیں میسر ہیں جبکہ پیچیدہ امراض کے لیے جناح، سول اسپتال ریفر کیا جاتا ہے، اسپتال میں ڈاکٹر سمیت طبی عملے کی کمی کا سامنا ہے۔

اسی طرح، 30 لاکھ آبادی پر سندھ گورنمنٹ نیو کراچی اسپتال ہے جہاں پر صرف 200 بستروں کی سہولت موجود ہے اور اسپتال میں صرف 5 وینٹی لیٹر ہیں جبکہ اس اسپتال میں سرجانی سے لے کر نارتھ کراچی، نیو کراچی، شادمان ٹاؤن سے بھی مریض رپورٹ ہوتے ہیں۔اس اسپتال میں بھی کسی بھی پیچیدہ امراض کی سہولت موجود نہیں ہے، اس میں کنسلٹینٹ سمیت طبی عملے کی کمی کا سامنا ہے۔



پولیس پوسٹنگ نیلامی کا کاروبار بن گئی

ہائی ویز پر دن میں سفر ناممکن، عوام کا جان و مال غیر محفوظ

ایس ایس پی تعیناتیاں کروڑوں کے عوض، تھانے تک بولی میں بیچنے کا انکشاف

آئی جی سندھ باصلاحیت مگر سیاسی مداخلت سے بے اختیار ہیں



تحریر

نیاز احمد کھوسہ

لاڑکانہ ڈویژن میں بدامنی اپنی انتہائی سطح تک پہنچ گئی ہے حالت یہ ہے کہ ضلع لاڑکانہ/ شکارپور/ جیکب آباد/کشمور میں ہائی ویز پر دن میں سفر کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔

سندھ حکومت کو چاہیئے کہ آئی جی سندھ کو بااختیار کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آئی جی سندھ غلام نبی میمن صاحب ایک باصلاحیت اور پروفیشنل پولیس افسر ہیں مگر ضلع ایس ایس پی کو منتخب کرنا، لگانا اور اُن سے کام لینا آئی جی سندھ کے ہاتھ میں نہیں ہے، اُن سے صرف رسمی طور پر پوچھا جاتا ہے فلاں افسر کو لگانا ہے!!!!!

سندھ حکومت کو چاہیئے کہ کم از کم لاڑکانہ ڈویژن کے پانچ اضلاع میں ایس ایس پی لگانے اور اُن سے کام لینے کے معاملے میں کوئی سیاسی مداخلت نہ کرے!!!! جناب صدر آصف علی زرداری صاحب کو مداخلت کرنی چاہیئے کہ لاڑکانہ ڈویژن میں پولیس کی ٹرانسفر پوسٹنگ میں آئی جی سندھ کو سیاسی مداخلت کا سامنہ نہ کرنا پڑے!!!!

میرے ایک دوست ایس ایس پی نے بتایا کہ ایک ضلع خالی ہوا اُس کیلئے میں نے تین کروڑ کا ٹینڈر بھرا مگر دوسرے ایس ایس پی نے سات کروڑ دیکر وہاں اپنی پوسٹنگ وہاں کروالی آگر ضلع ایس ایس پیز کی پوسٹنگ اس طرح ہورہی ہے تو پھر امن امان کے متعلق اجلاس کرنے اور ہدایات دینے سے کیا فاعدہ ہوگا؟

آپ خود سوچیں کہ جب ضلع ایس ایس پی کی پوسٹنگ کے نیلامی ہوگی تو کیا پوسٹنگ لینے والا ایس ایس پی تھانے نیلام نہیں کرے گا؟؟؟؟ اور تھانوں کی نیلامی کی بولی کوئی سب انسپیکٹر یا انسپیکٹر شامل نہیں ہوتا!!!!

آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ تھانوں کی نیلامی کا ٹینڈر پولیس کانسٹیبل بھرتے ہیں اور آگر ضلعوں کو نیلام کرنے والوں کے علم میں نہیں تو میں بتاتا ہوں کہ سندھ میں کون کون سے تھانوں میں سپاہی ایس ایچ او لگے ہیں!!!!

آپ کو خدا کا واسطہ ہے بھلے پوری سندھ کو نیلام کردیں مگر اللہ کے واسطے پولیس کا ایسا حشر نہ کریں اس سے عوام کی ایسی کی تیسی ہوگئی ہے، پولیس تھانہ ایک واحد ایسی جگہ جہاں مظلوم کی فریاد سُنی جاتی ہے میرے سامنے تو مسجد سے زیادہ پولیس تھانے کا تقدس اور مقام ہے جو آگر اصل میں اور حقیقی معنوں میں مظلوم کی فوری دادرسی کا مقام ہو!!!!

جب ضلع کی بولی لگے کی تو مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نیچے پولیس تھانوں/ چوکیوں/ روڈ راستوں پر کھڑی پولیس پکٹوں پر کیا ہوتا ہے۔

جولائی میں ضلع کشمور کی عوام نے اسلام آباد میں جاکر دھرنا لگایا میرے علم کے مطابق دہشت گردی کو تو ختم کرنے کیلئے اسلام آباد میں کئی بار



دھرنے لگتے رہے ہیں مگر بدامنی کو ختم کرنے کیلئے پہلی بار ضلع کشمور کی عوام اسلام آباد تک گئی اور احتجاج کیا مگر وہاں کشمور اور جیکب آباد کے عوامی نمائندوں نے احتجاج کرنے والوں کو حسب روایت lolly Pop دیکر واپس بھیج دیا گیا!!!! نتیجہ صفر!!!!

حکومت سندھ کی امن امان میں عدم دلچسپی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ کرمنلز کا خاتمہ کرنے والے سرفہرست ایس ایس پی عرفان سموں /ایس ایس پی تنویر تھیو/ایس ایس پی مسعود بنگش نے سندھ حکومت کے Development رہی ہے اور سندھ میں جام صادق کے دور سے لیکر آج تک حکومت میں رہنے والوں کا کیا رول رہا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، سندھ حکومت کو کچھ حلقوں کی طرف سے ورثے میں ایک پارٹی کے کچھ خاص لوگوں کو لسانیت کی بنیاد پر حکومت اور بلدیاتی اداروں میں حصہ دیا جاتا ہے یعنی زبردستی تھوپا جاتا ہے ایسا فارمولا پہلے سے طے شدہ ہے اور وہ لوگ اپنے ایجنڈ اپر ہی کام کرتے ہیں جن پر سندھ حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں ہے!!!!

''اللہ پاک جب ناراض ہوتا تو کسی ہتھیار سے کام نہیں لیتا!!!! وہ راستہ ایسا دکھا دیتا ہے جہاں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے''۔

سوشل میڈیا پر فرحان غنی پر دہشت گردی عدالت میں ایسی چھترول دیکھی کہ سندھ کی عوام کا دل خوش ہوکر رہ گیا، عوام کے چہروں پر عید کے دن سے زیادہ کی خوشی دیکھنے کو ملی!!!!! فوج میں ایک ایسا خفیہ ادارہ ہونا چاہیئے جو ایسی'' بڑی مچھلیوں اور معاشرے کیلئے ناسور بدماشوں'' کا Soft ware Update کا کام عوامی فلاح و بہبود کیلئے ہمیشہ خاموشی سے کرتے







رہیں کیونکہ پولیس اور عدلیہ تو ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی!!!!

پنجاب نے تو ظالموں کا سافٹ ویئر Update کرنے کیلئے CCD بنادی ہے جہاں ظفر چھٹہ صاحب جیسے افسر نے لاہور شہر سے تو جرائم پیشہ عناصر کا خاتمہ کردیا ہے مگر سندھ کے عوام بےچینی سے انتظار کررہے ہیں کہ کب ایک ایک کرکے فرحان غنی کے ہم پیشہ لوگوں کو عبرت کا نشان بنایا جائے گا؟؟؟؟؟

بطور سابق پولیس افسر مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی لیاری/کٹی پھاڑی/سہراب گوٹھ/شیریں جناح کالونی / پنجاب کالونی/لاکویت وغیرہ وغیرہ جیسے علاقے پاکستان کے کسے ایک شہر میں بھی نہیں ہیں سواء کراچی کے!!!!! جہاں قومیت اور لسانیت کے بنیاد پر کرمنلز کی نرسری سے لیکر یونیورسٹیاں آج تک قائم ہیں، بوری بند لاشیں، ہتھوڑا گروپ، بھتہ کلچر، انڈسٹری کا کراچی اور نوری وَباد سے انخلا'' سسٹم کی مداخلت'' یہ سب کچھ







میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب حکومت افسران کی پوسٹنگ میرٹ پر کررہے ہے وہاں ضلع کے حکومتی ایم پی اے یا ایم این اے سے NOC نہیں لی جاتی اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکومت پنجاب نے عرفان سموں اور تنویر تھیو کو وفاق سے مانگ کر اہم پوسٹنگ دے دی،

سوشل میڈیا پر پنجاب کی حکومتی پارٹی کے ارکان اسمبلی آئے دن Pervillage Motion Move کرتے نظر آتے ہیں کہ پنجاب کے فلاں ضلع کے سب انسپیکٹر نے ہمارے کہنے پر بندہ نہیں چھوڑا اور فون پر کہا کہ'' جو کرنا ہے وہ کرلو'' پنجاب میں امن امان اور Development کی صورت حال دوسرے صوبوں سے بہتر اسلئے ہے کہ وہاں وزیر اعلا کی کرسی کیلئے پرویز الاہی سے لیکر آج تک One Man Show ہے اور پنجاب کی ہر آنے والی حکومت کی ترجیح امن امان اور

سندھ کے نصیب میں کیوں ہے؟؟؟؟ دریائے سندھ اسکردو سے لیکر ٹھٹھہ تک 3200 کلومیٹر کا کچے کا علاقہ بنتا ہے مگر شکارپور سے لیکر کشمور تک کا کچے کا علاقہ Disturb کیوں ہے؟؟؟؟ اس Disturb Belt کی وجہ سے پنجاب کے علاقہ رحیم یار خان تک متاثر ہے

جناب اویس غنی کے بھائی فرحان غنی جیسی بڑی مچھلی کی زیادتیوں پر بالآخر قدرت کا قانون متحرک ہوگیا شاید کسی مظلوم کی بددعا کام کرگئی!!!! شاہ عبداللطیف کا شعر ہے کہ

''رب رُسی مت کسی ھٹی کو نہ ہتھیار۔تسی اُھو پار جنھن م جوکو جی جو''

مطلب یہ کہ

سندھ میں ایس ایس پی سنگھار ملک صاحب، ایس ایس پی عمران قریشی صاحب، ایس ایس پی امجد شیخ صاحب جیسے فیلڈ میں کام کرنے والے افسران CTD / CPO اور Avlc میں کام کررہے ہیں ان کو سیاسی اثر رسوخ سے آزاد کرکے لاڑکانہ ڈویژن میں لگادیا جائے تو یہ افسران ڈی آئی جی ناصر آفتاب صاحب کے ساتھ مل کر لاڑکانہ ڈویژن کے اضلا میں امن بحال کرسکتے ہیں کیونکہ کہ شکارپور/جیکب آباد/کشمور اور لاڑکانہ میں چکے کے جرائم پیشہ سرگرم ہیں!!!! جن کی سرکوبی کرنا مشکل کام نہیں ہے مگر بدقسمتی یہ ہے حکومت سندھ کی یہ ترجیح نہیں ہے!!!! صرف اجلاسوں سے کچھ جرائم پیشہ عناصر ڈرنے والے نہیں ہیں!!!!



'ڈکی بھائی' کا مزید چار روزہ جسمانی ریمانڈ

بائنوموکیا ہے اور پاکستان میں آن لائن 'جوئے' کی کن ایپس پر پابندی ہے؟

پنجاب کے صوبائی دارالحکومت لاہور میں ایک عدالت نے صارفین کو آن لائن ایپس پر جوا کھیلنے کی ترغیب دینے کے الزام میں گرفتار پاکستانی یوٹیوبر سعد الرحمان المعروف ڈکی بھائی کو مزید چار روزہ جسمانی ریمانڈ پر نیشنل سائبر کرائم ایجنسی کے حوالے کر دیا ہے۔

سعد الرحمان کا شمار پاکستان کے مقبول یوٹیوبرز میں ہوتا ہے اور انھیں دو روز قبل لاہور ایئرپورٹ سے اُس وقت حراست میں لیا گیا تھا جب وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ بیرون ملک روانہ ہونے کے لیے امیگریشن کاؤنٹر پر پہنچے تھے۔

نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کے ایڈیشنل ڈائریکٹر سرفراز چوہدری نے بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ 'ڈکی (سعد الرحمان) اپنا نام پی این آئی ایل میں موجود ہونے کے باوجود ملک چھوڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور جب وہ امیگریشن کے لیے پہنچے تو انھیں گرفتار کیا گیا۔'

سرفراز چوہدری کے مطابق سوشل میڈیا پر نوجوانوں کو آن لائن ایپس پر جوا کھیلنے کی ترغیب دینے اور ان ایپس کی تشہیر کرنے میں ملوث دیگر یوٹیوبرز کو بھی نوٹس جاری کیے تھے جس کے بعد اُن کا نام پی این آئی ایل لسٹ میں ڈالا گیا۔

گرفتاری کے بعد عدالت نے ابتدائی طور پر اُن کا دو روزہ جسمانی ریمانڈ منظور کیا تھا جس کی تکمیل پر انھیں منگل کو جوڈیشل مجسٹریٹ نعیم وٹو کی عدالت میں پیش کیا گیا، جہاں نیشنل سائبر کرائم ایجنسی کی جانب سے ملزم کے 28 روزہ جسمانی ریمانڈ کی استدعا کی گئی تاہم عدالت نے مزید چار روزہ جسمانی ریمانڈ منظور کر لیا۔

سعد الرحمان (ڈکی بھائی) کون ہیں اور ان پر کیا الزامات ہیں؟

سعد الرحمان عرف ڈکی بھائی کا شمار پاکستان کے ان یوٹیوبرز میں ہوتا ہے جن کے فالوورز کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ وہ سوشل میڈیا پر اپنی مزاحیہ ویڈیوز اور فیملی وی لاگز کے لیے جانے جاتے ہیں۔

ان کی جانب سے پوسٹ کیا جانے والا مواد ماضی میں بھی متنازعہ رہا ہے۔ رواں برس کے آغاز میں بھی انھیں اس وقت قانونی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جب ان کی موٹر وے پر لاپرواہی سے ڈرائیونگ کی ایک ویڈیو وائرل ہوئی تھی تاہم لاہور ہائی کورٹ نے انھیں اس مقدمے میں حفاظتی ضمانت دے دی تھی۔

تاہم اس مرتبہ سعد الرحمان کو جس معاملے کا سامنا ہے وہ اپنے پلیٹ فارم پر غیر قانونی جوئے کی ایپس کی تشہیر کا ہے۔

سعد الرحمان پر الزام ہے کہ وہ ان چند پاکستانی یوٹیوبرز اور سوشل میڈیا انفلوئنسرز میں شامل ہیں جنھوں نے اپنی شہرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور مالی فائدے حاصل کرنے کی غرض سے عام پاکستانی شہریوں کو جوئے کی ایپس میں سرمایہ کاری کرنے پر اُکسایا جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ اپنی جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

بی بی سی نے سعد الرحمان کے وکیل سے بارہا رابطہ کرنے کی کوشش کی تاہم اُن کی جانب سے الزامات پر کوئی موقف سامنے نہیں آیا۔

یاد رہے کہ اس ضمن میں درج ہونے والی ایف آئی آر میں خاص طور پر 'بائنوموٗ' نامی ایپ کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ مبینہ طور پر بیٹنگ کے لیے استعمال ہونے والی یہ ایپ پاکستان میں رجسٹرڈ نہیں، تاہم 19 اگست کو نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کی جانب سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان بھر میں جوئے اور فاریکس ٹریڈنگ کی 46 ایپس کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے جس میں 'بائنوموٗ' کا نام بھی شامل ہے۔

تاحال 'بائنوموٗ' یا غیر قانونی قرار دی گئی دیگر ایپس کی انتظامیہ کی جانب سے کوئی باضابطہ ردعمل سامنے نہیں آیا۔

نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کی جانب سے درج کردہ ایف آئی آر میں بتایا گیا ہے کہ ایجنسی کی جانب سے 13 جون 2025 کو قابل اعتماد ذرائع سے موصول ہونے والی اطلاعات کی بنیاد پر ایک انکوائری کا آغاز کیا گیا تھا۔ مقدمے کی مطابق اطلاعات یہ تھیں کہ چند سوشل میڈیا انفلوئنسرز اور یوٹیوبرز اپنی فالوونگ اور شہرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنے مالی فائدے کی غرض سے صارفین کو جوئے کی ایپس میں سرمایہ کاری کے لیے اُکسا رہے ہیں۔

مقدمے کے مطابق ان یوٹیوبرز اور سوشل میڈیا انفلوئنسرز کے اُکسانے پر بہت سے عام افراد نے ان پر موٹیڈ ایپلی کیشنز یعنی ایپس پر سرمایہ کاری کی لیکن بعد ازاں پیسہ لگانے والے ان صارفین کے ساتھ دھوکہ ہوا، اُن کی سرمایہ کاری ڈوبی اور وہ اپنی محنت کی کمائی سے محروم ہوئے۔

ایف آئی آر میں الزام عائد کیا گیا کہ صارفین کو ان ایپس میں سرمایہ کاری کے لیے اُکسانے والے افراد میں سعد الرحمان عرف ڈکی بھائی بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنے یوٹیوب چینلز کے ذریعے بیٹنگ (جوئے) ایپس بشمول 'بائنوموٗ' 'بیٹ 365'، '39 گیم' وغیرہ کی تشہیر کی۔

اس ایف آئی آر میں سعد الرحمان کے یوٹیوب چینلز پر ان ایپس سے متعلق مبینہ ویڈیوز کی تفصیل بھی درج ہے۔

ایف آئی آر میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سعد الرحمان عرف ڈکی بھائی 'جوئے کی بدنام زمانہ ویب سائٹس اور ایپلی کیشنز، خاص طور پر 'بائنوموٗ' کے ذریعے عام لوگوں کو سرمایہ کاری کے لیے اُکساتے تھے اور عوام سے دھوکہ دہی کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرواتے تھے۔ عوام سے کروڑوں روپے اکٹھا کرنے کے باوجود بائنوموٗ اور اس طرح کی دیگر ایپلی کیشنز نے دھوکہ دہی کا ارتکاب کیا اور عوامی سرمایہ کاری کے عوض کوئی منافع نہیں دیا جس کے باعث عوام کو بھاری مالی نقصان پہنچا۔'

ایف آئی آر میں کہا گیا ہے کہ 'بائنوموٗ' نامی ایپ ابھی تک پاکستان میں رجسٹرڈ نہیں۔ 'انکوائری کے عمل کے دوران سعد الرحمان کو طلب کیا گیا

لیکن وہ جان بوجھ کر انکوائری کا حصہ نہیں بنے، جس کے بعد اُن کا نام پرویز جل نیشنل آئڈنٹیفکیشن لسٹ (پی این آئی ایل) میں ڈال دیا گیا۔ 16 اگست کو لاہور کے علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر موجود ایف آئی اے کے امیگریشن حکام نے آگاہ کیا کہ ملزم کو ملک سے باہر جانے کی کوشش کے دوران حراست میں لے گیا گیا۔ یہ اطلاع ملنے پر نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کی ٹیم موقع پر پہنچی تاکہ ملزم کو گرفتار کیا جاسکے۔'

ایف آئی آر میں مزید الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس موقع پر ملزم سے آئی فون برآمد ہوا جس کا موقع پر تجزیہ کیا اور یہ پایا گیا کہ ملزم بائنوموکی تشہیر میں ملوث چند افراد کے ساتھ رابطے میں تھے۔ مزید یہ کہ بائنوموکی جانب سے ملزم کو موصول ہونے والی ادائیگیوں اور گمراہ کن ویڈیوز سے متعلق شواہد بھی موبائل فون سے برآمد ہوئے۔

ایف آئی آر میں مزید کہا گیا ہے کہ اس موقع پر ملزم سے پوچھ گچھ کی گئی مگر ملزم سعد الرحمان عرف ڈی کی بھائی مذکورہ ایپلی کیشن کے ذریعے سرمایہ کاری کرنے کے حوالے سے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس کے ذریعے عوام کو اُکسانے سے متعلق ویڈیوز کا جواز پیش کرنے میں ناکام رہے۔



ایف آئی آر میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ملزم سعد الرحمان پاکستان میں بائنوموکے کنٹری مینیجر کے طور پر بھی کام کر رہے تھے اور اس ضمن میں کسی سرکاری ادارے بشمول ایف بی آر یا سٹیٹ بینک آف پاکستان سے اجازت نہیں لی گئی تھی۔

اس سلسلے میں سعد الرحمان کے خلاف ریاست کی مدعیت میں الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016 کی دفعہ 13 (الیکٹرانک جعل سازی)، 14 (الیکٹرانک فراڈ)، 25 (سپیمنگ) اور 26 (جعل سازی) کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016 کے پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 294 بی (تجارت کے ذریعے انعام کی پیشکش) اور 420 (فراڈ، دھوکہ دہی) کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے۔

'ڈی کو علم نہیں تھا کہ اُن کیخلاف تحقیقات چل رہی ہیں'

سعد الرحمان کی گرفتاری کے بعد تاحال ان کی جانب سے یا ان کے اہلخانہ اور وکلا کی جانب سے اس معاملے پر کسی قسم کا کوئی بیان سامنے نہیں آیا۔ بی بی سی کی جانب سے سعد الرحمان کے وکیل سے متعدد بار رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی تاہم انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تاہم سعد الرحمان کے قریبی دوست اور یوٹیوبر ندیم مبارک نے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کے ذریعے ان کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ 'یہ بات غلط ہے کہ ڈی ملک چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ وہ دو روزہ تقریب کے لیے ملائشیا جا رہے تھے۔'

انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'ڈی بھائی پر بائنوموایپلیکیشن کے استعمال کے حوالے سے تحقیقات چل رہی تھیں مگر اس کے بارے میں انھیں بتایا ہی نہیں گیا۔ ڈی کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ ان کے خلاف کوئی ایف آئی آر درج ہے۔ اگر انھیں پتا ہوتا تو وہ قانون کا سامنا کرتے جیسا کہ انھوں نے ہمیشہ کیا۔'

ان کا مزید دعویٰ تھا کہ 'بائنوموایپلیکیشن پاکستان میں ریگولیٹڈ نہیں لیکن اس کا استعمال ہر بندہ کر رہا ہے۔ اس طرح ایک شخص کو نشانہ بنانا اچھا عمل نہیں۔'

'بائنوموُ کیا ہے اور پاکستان میں 'جوئے' کی کن ایپس پر پابندی ہے؟

خیال رہے کہ بائنوموان 46 ایپس میں بھی شامل ہے جنھیں نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کی جانب سے منگل کو غیر قانونی قرار دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔

ایجنسی کی جانب سے پابندی کا شکار ایپس کی جو فہرست جاری کی گئی ہے ان میں آن لائن جوئے کے بعد فاریکس ٹریڈنگ کی ان ریگولیٹڈ ایپس بھی شامل ہیں۔

نیشنل سائبر کرائم انویسٹیگیشن ایجنسی کے مطابق بلاک کی گئی 46 ایپس میں ایسی ایپس بھی شامل ہیں جن کے ذریعے شہریوں کا ذاتی ڈیٹا اور موبائل نمبر کی تفصیلات وغیرہ فراہم کی جاتی تھیں۔

ایجنسی کا کہنا ہے کہ پی ٹی اے کو تمام غیر قانونی قرار دی گئی ایپس کی فہرست فراہم کر دی گئی ہے اور پی ٹی اے ان تمام غیر قانونی ایپس تک رسائی بند کر دے گا۔

بائنوموکی اپنی ویب سائٹ پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ ایک کلائنٹ ہیڈ بین الاقوامی پلیٹ فارم ہے جو جدید ترین ٹریڈنگ ٹیکنالوجی کے میدان میں نئی راہیں استوار کر رہا ہے۔

ویب سائٹ کے مطابق بائنوموُ نہ صرف جدید اور تیز رفتار ٹریڈنگ تجربہ فراہم کرتا ہے، بلکہ تعلیمی وسائل، تجزیاتی سہولیات اور ماہر سپورٹ کے ذریعے ہر سطح کے ٹریڈرز کو مکمل رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔

مزید یہ کہا گیا ہے کہ بائنوموُ دنیا بھر کے صارفین کو بہترین تجارتی مواقع فراہم کرتا ہے جن میں شفافیت، منصفانہ شرائط اور عالمی مالیاتی مارکیٹس تک محفوظ رسائی شامل ہے۔

بائنوموکا دعویٰ ہے کہ اس کی سروسز مکمل طور پر شفاف ہیں اور اس کا جدید نظام آپ کو عالمی مالیاتی منظرنامے کا درست تجزیہ کرنے اور خطرات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔

بائنوموکا دعویٰ ہے کہ انھیں انٹرنیشنل فنانشل کمیشن (آئی ایف سی) کی سند حاصل ہے اور اس کے کلائنٹس کے مالیاتی خطرات موجودہ عالمی قوانین کے تحت بیمہ شدہ ہیں جس کی بدولت بائنوموُ دنیا کے محفوظ ترین پلیٹ فارمز میں شمار ہوتا ہے۔

بائنوموُ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ جدید، تیز رفتار اور آسان ٹریڈنگ پلیٹ فارم ہے جو منافع بخش مواقع، تجزیاتی خدمات، تربیت، موثر سپورٹ اور عالمی مارکیٹ کی تازہ معلومات فراہم کرتا ہے۔

پاکستان میں یہ ایپس کیسے کام کرتی ہیں؟

حال ہی میں پی ٹی اے کے جانب سے قومی اسمبلی میں جمع کروائے جانے والے ڈیٹا کے مطابق انھوں نے تقریباً 184 جوئے کی ایپلیکیشنز بند کی ہیں۔

یہی نہیں کچھ عرصہ قبل میں پی بی سی بی اور پی ایس ایل بھی اس وقت تنقید کی زد میں آئے تھے جب ایک بیٹنگ ایپلیکیشن کا لوگو بطور سپانسر پی ایس ایل میں نظر آیا، جس کے بعد پی بی سی بی کی جانب سے انھیں ہٹا دیا گیا۔

بی بی سی کو ان ایپلیکیشنز کے بارے میں بتاتے ہوئے ایڈیشنل ڈائریکٹر این سی سی آئی اے سرفراز چوہدری کا کہنا تھا کہ اس وقت ایسی ایسی چیزوں پر آن لائن جوا کھیلا جا رہا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ 'کبھی کرکٹ پر، کبھی کسی ملک کی سیاست اور الیکشنز پر اور یہاں تک کہ کتوں اور گھوڑوں کی دوڑ پر بھی جوا کھیلا جا رہا ہے۔'

اب سوال یہ ہے کہ یہ ایپلیکیشنز کام کیسے کرتی ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ آپ کو ایپلیکیشن ڈاؤن لوڈ کرنے کا کہا جاتا ہے جب آپ کر لیتے ہیں تو اس میں مختلف قسم کی گیمز ہوتی ہیں جس میں کبھی آپ نے لوڈو کا دانہ بار بار ہلانا ہوتا ہے یا پھر ایک جہاز ہے جسے آپ نے بار بار کلک کر کے اڑاتے رہنا ہے۔ اس طرح آپ کے جتنے کلک ہوں گے آپ اتنے پیسے جیت لیں گے یا پھر ہار جائیں گے۔

سرفراز چوہدری کا یہ بھی کہنا تھا کہ 'یہ منی لانڈرنگ کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔'

'لوگ سوچتے ہیں کہ ایک ہی دن میں کروڑوں کے مالک بن جائیں'

پاکستان میں سعد الرحمن کی گرفتاری اور بائنوموایپ کے حوالے سے سوشل میڈیا پر بھی کافی تبصرے کیے جا رہے ہیں۔



بیشتر صارفین یہ سوال کر رہے ہیں کہ اگر یہ ایپ غیر قانونی ہے، تو جو حکومت ایکس (ٹوئٹر) کو بلاک کر سکتی ہے، اس نے اس ویب سائٹ تک رسائی کو کیوں بلاک نہیں کیا؟

اس کے جواب میں عامر نامی صارف نے لکھا کہ 'ہماری عوام کو ان جوئے والی ایپس کی لت لگ چکی ہے، اگر آپ ایک بند کروائیں گے، تو وہ دوسری پر منتقل ہو جائیں گے۔ جب کونٹیکس نے صارفین کو منافع دینا بند کر دیا تو لوگ بائنوموا ستعمال کرنے لگے۔'

ایک اور صارف نے سوال کیا کہ ٹی وی چینلز سے لے کر شہروں میں بل بورڈز تک جوئے اور سٹے والی ایپس کی تشہیر کی اجازت کیوں دی جا رہی ہے؟

عثمان نامی صارف نے لکھا کہ 'حالیہ برسوں میں ایکس بیٹ، کونٹیکس اور بائنوموجیسے پلیٹ فارمز نے تباہی مچا دی۔ عوام کی جیبیں خالی ہو چکیں اور اب جا کر ہمارے ادارے حرکت میں آئے ہیں۔'

وہ پوچھتے ہیں کہ سوال یہ ہے کہ 'آخر ہماری قوم بار بار کیوں نئے سکیمز کا شکار ہو جاتی ہے اور یہ لوگ کوئی ہنر کیوں نہیں سیکھتے؟'

وہ مزید کہتے ہیں کہ 'اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی معاشی سمجھ بوجھ صفر ہے۔ ہم لالچ سے بھرے ہوئے لوگ ہیں، جو یہ سوچتے ہیں کہ ایک ہی دن میں کروڑوں کے مالک بن جائیں۔

بدنیتی، بدعہدی، بدانتظامی اور نئے صوبے



والد مرحوم یہ کہاوت اکثر سناتے تھے کہ کوئی یہ کہے کہ تمہارے کان کتا لے گیا ہے تو کتے کے پیچھے دوڑنے سے پہلے کان چھو کے دیکھ لو۔

ہر کچھ عرصے بعد سنتے سنتے کان پک گئے کہ وفاق کو اگر مؤثر انداز میں چلانا ہے تو نئے صوبے بنانے پڑیں گے۔

یہ غبارہ کہیں سے بھی اڑتے ہی بانس نکل آتے ہیں، دلائل و ردِ دلائل کا بازار کھل جاتا ہے۔ وہ جماعتیں، ایکسپائرڈ سیاستدان اور تھنک ٹینک بھی شعلہ بار منجن چھابے میں رکھ لیتے ہیں جن کی عام دنوں میں گھر والے نہیں سنتے۔

چونکہ صارفین (عوام) بھی 78 برس کے دوران ہر طرح کی دو نمبریوں کے طرح طرح سے ڈسے ہوئے ہیں اس لیے وہ بھی مجمع کی صورت مداریوں کی باتیں اس امید پر دھیان سے سنتے ہیں کہ اس بار پٹاری سے واقعی کوئی ایسا سنگ چور ناگ نکل آئے جو پہلے کسی نے نہیں دیکھا۔

قیاسی کتے کے پیچھے دوڑنے سے پہلے اگر کوئی آئین کا آرٹیکل 239 پڑھ لے تو شاید خامخواہ ہانپنے سے بچ جائے۔

اس آرٹیکل میں صاف صاف لکھا ہے کہ کسی بھی صوبے کی جغرافیائی حدود میں کمی بیشی کے لیے پارلیمنٹ کے دونوں ایوان (سینیٹ اور قومی اسمبلی) الگ الگ دوتہائی اکثریت سے آئینی ترمیم کا مسودہ منظور کریں گے اور پھر یہ مسودہ متعلقہ صوبے کی اسمبلی دوتہائی اکثریت سے پاس کرے گی۔ اس کے بعد ہی صدرِ مملکت اس ترمیم پر دستخط کے مجاز ہوں گے۔

آرٹیکل 239 کی مذکورہ شق اب تک ایک بار یعنی 2018 میں ہی استعمال ہوئی جب قبائلی اضلاع کا 25 ویں آئینی ترمیم کے ذریعے صوبہ خیبر پختونخوا میں ادغام ہوا۔

گویا آئینی طور پر صوبوں کی حدود میں ردوبدل اتنا آسان نہیں۔ ہو سکتا ہے پنجاب آسانی سے خود کو دو یا تین صوبوں میں بدلنے پر مان جائے کیونکہ مرکز میں بھی مسلم لیگ نون ہے اور پنجاب اسمبلی میں بھی اسے دوتہائی اکثریت حاصل ہے۔ نون اور اسٹیبلشمنٹ کے مابین گاڑھی بھی چھن رہی ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی اس وقت سخت ضرورت بھی ہے۔

اگرچہ پنجاب کی ممکنہ تقسیم بھی فی الحال مفروضہ ہے مگر قابلِ یقین مفروضہ ہے کیونکہ پیپلز پارٹی بھی جنوبی پنجاب صوبے کے حق میں ہے اور نواز شریف کے تیسرے دورِ حکومت میں پنجاب اسمبلی کی نوفی اکثریت اس تجویز کی 'اصولی' حمایت کر چکی ہے۔

کیا بلوچستان کو پختون اور بلوچ اکثریتی صوبوں میں بانٹا جا سکتا ہے؟ بلوچوں کو تاریخی طور پر بلوچستان کی پشتون پٹی کے علیحدہ تشخص پر سنگین تحفظات کبھی بھی نہیں رہے کیونکہ یہ پٹی انگریز دور میں بھی کوئٹہ میونسپل انتظام کے تحت ریاست قلات کی حدود سے باہر تھی۔

مگر آج بلوچستان میں قوم پرستی کے جذبات جس سطح پر ہیں اور افغانستان و ایران سے پاکستان کے تعلقات جتنے حساس ہیں، آیا اس ماحول میں بلوچستان کو دو صوبوں میں بانٹنے کی خواہش کو آسانی سے عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ یہ خواہش پیٹرول سے آگ بجھانے کی کوشش میں بھی تو بدل سکتی ہے۔

خیبر پختونخوا میں ہزارہ ڈویژن کو الگ صوبہ بنانے کی تحریک کو فی الحال خاص پذیرائی حاصل نہیں۔ ویسے بھی ہندکو اور پشتو اس خطے کی مشترکہ تاریخی ثقافت کا حصہ ہیں۔

ہری پور، ایبٹ آباد یا مانسہرہ کا رہائشی جتنا خود کو راولپنڈی سے قریب محسوس کرتا ہے اتنی ہی قربت پشاور سے بھی ہے۔

ہزارہ میں آبادی کا ایک حصہ پشتون ہے مگر ہندکو بولتا ہے۔ البتہ سیاسی اعتبار سے ہزارہ ڈویژن کا روایتی جھکاؤ پشتون قوم پرست تحریکوں کے بجائے وفاقی قومی دھارے کی جانب رہا ہے۔

اہلِ ہزارہ بھلے علیحدہ صوبے کی تجویز کا خیر مقدم کریں مگر صوبے کی پشتو اکثریت میں سوائے مسلم لیگ نون کے حامیوں کے پی ٹی آئی اور اے این پی سمیت کوئی بھی سیاسی جماعت امن و امان اور عدم استحکام کی موجودہ فضا میں اس تجویز کی حمایت کا خطرہ مول نہیں لے گی۔

سندھ کی بات کی جائے تو تاریخی اعتبار سے یہ سب سے زیادہ 'انتظام گزیدہ' خطہ رہا ہے۔ 19 ویں صدی کے نیم وسط تک سندھ تالپور ریاست تھی جس پر 1843 میں انگریزوں نے قبضہ کر کے اسے بمبئی پریذیڈنسی کا انتظامی ڈویژن بنا دیا۔

بطور صوبہ سندھ کا انتظامی تشخص 93 برس بعد 1936 میں بحال ہوا۔ اگر سندھ 1947 تک بمبئی پریذیڈنسی کا حصہ رہتا تو شاید پاکستان ہی نہ بنتا (سندھ اسمبلی نے ہی سب سے پہلے پاکستان میں شمولیت کی قرارداد اپنائی)۔

تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب سے نقل مکانی کرنے والوں کی اکثریت مغربی پنجاب میں بسی اور مشترکہ زبان اور رہن سہن کے سبب انھیں نئی جگہ اپنانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

مشرقی پاکستان میں مغربی بنگال کے بنگالی بولنے والے اور بہار کے اردو بولنے والے مسلمان نقل مکانی کر کے پہنچے مگر دیگر ہندوستانی صوبوں سے نقل مکانی کرنے والوں کی اکثریت نے سندھ کے شہروں کا انتخاب کیا جہاں سے ہندو آبادی بھاری تعداد میں سرحد پار جا رہی تھی۔

چونکہ مہاجرین شہروں میں یکدم بڑی تعداد میں پہنچے لہذا ان کا نئی جگہ کی ثقافت اور زبان کو اپنائیت سے دیکھنے کا عمل دیگر صوبوں میں بسنے والے مہاجروں کی نسبت خاصا سست رہا۔ آگے چل کے اسی سبب لسانی و سیاسی پیچیدگیاں بڑھتی چلی گئیں جنھیں مقامی اور مرکزی اشرافیہ نے خود کو مستحکم کرنے کے لیے اور بڑھاوا دیا۔

تقسیم کے بعد سندھ کا سب سے بڑا شہر کراچی وفاقی دارالحکومت قرار پایا۔ اس اقدام سے سندھ میں پیدا ہونے والی بدزنی کے ازالے کے لیے نوزائید مرکزی حکومت نے تشفی بخش اقدامات نہیں کیے۔

1955 میں مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو 'پیرٹی' (یعنی برابری) کے جبری اصول کی بنیاد پر کم کرنے کے لیے مغربی پاکستان کے صوبوں کے حلق پر جس طرح ون یونٹ سکیم کا انگوٹھا رکھ کے صوبائی تشخص ختم کیا گیا اسے بھی سب سے زیادہ سندھ نے محسوس کیا۔

15 برس بعد صوبوں کا تشخص تو بحال ہو گیا مگر 1972 کے لسانی فسادات نے نئے اور پرانے سندھیوں کے مابین بدزنی کی گہری دراڑ ڈال دی۔

حالانکہ معاملہ محض اتنا تھا کہ صوبائی اسمبلی نے یہ قانون بنایا کہ اردو کے ساتھ ساتھ سندھی بھی سرکاری کام کاج اور تعلیم کا حصہ ہو گی۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں تھی کیونکہ برطانوی دور میں بھی انگریزی اور سندھی سرکاری روزمرہ کی زبانیں تھیں۔ کراچی میں سندھ پولیس کے میوزیم میں آج تک انیسویں صدی کی وہ ایف آئی آرز محفوظ ہیں جو سندھی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔

چنانچہ سندھی زبان کی تاریخی حیثیت کی بحالی پر 'اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے' کے نعرے نے یگانگت و ہم آہنگی و اخلاص کے پودے پر گویا ابلتا پانی ڈال دیا۔ بدزنی کا یہ شگاف وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔

اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ 1973 کے آئین کے تحت سندھ میں تعلیم اور ملازمتوں میں دس برس کے لیے جو دیہی و شہری کوٹہ مختص کیا گیا تھا، اگرچہ آج اس کی افادیت عملاً ختم ہو چکی ہے مگر بدزنی اس قدر ہے کہ اس کے خاتمے کے بارے میں 52 برس بعد بھی بات کرنا دشمنی کے برابر ہے۔

چنانچہ سندھ واحد صوبہ ہے جہاں دیہی و شہری کوٹہ برقرار ہے۔

تقسیم کے نتیجے میں پنجاب اور بنگال تقسیم ہوا مگر سندھ بطور سالم یونٹ پاکستانی فیڈریشن میں شامل ہوا۔ سندھ میں نئے صوبے بنانے کی راہ میں ایک بڑی جذباتی رکاوٹ جسے غیر سندھی مشکل سے سمجھتے ہیں یہ ہے کہ سندھ اگرچہ آج صوبہ ہے مگر اپنی موجودہ جغرافیائی حدود میں یہ 19 ویں صدی تک ایک خودمختار ریاست تھا۔ چنانچہ اہلِ سندھ کے نزدیک یہ محض انتظامی یونٹ نہیں بلکہ وطن ہے اور وطن کا تصور ماں جیسا ہے۔

نئے صوبے بننے چاہئیں یا نہیں؟ 78 برس میں ہر سیاسی مسئلے کو انتظامی عینک سے دیکھ کے سنیاسیوں نے جو انکل پچو نسخے تجویز کیے ان میں سے کوئی بھی کام نہ آ سکا۔

اس کے باوجود اہلِ اختیار نسخہ بدلنے پر ہرگز تیار نہیں اور اب یہ حالت ہے کہ مرکز ہو یا صوبے، پانچوں میں سے کسی کو رسی بھی نظر آ جائے تو باقی چار کو سانپ دکھائی دیتی ہے۔

دنیا بھر میں جو اقدامات انتظامی و سیاسی نظام کا معمول سمجھے جاتے ہیں ہمارے ہاں وہی اقدامات سازش نظر آتے ہیں۔ بدزنی، بدعہدی، بدانتظامی، ان تینوں کا سدِ باب ہو تو ایمان، اتحاد اور یقینِ محکم کو تھوڑا بہت راستہ ملے۔



ٹرمپ کی بے رخی کے بعد مودی کی نظریں چین پر

بدلتی صورتحال میں انڈیا کے پاس کیا راستے ہیں؟

اس مہینے کی 27 تاریخ سے انڈیا سے امریکہ جانے والی مصنوعات پر 50 فیصد کی محصولات کا نفاذ ہونے والا ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حال میں جن ملکوں پر ٹیرف نافذ کیے، یہ ان میں سب سے زیادہ شرح والی ٹیرف میں سے ہے۔

امریکہ نے انڈیا کی برآمدات پر پہلے صرف 25 فیصد ٹیرف نافذ کیا لیکن بعد میں انڈیا کے روس سے تیل خریدنے کی سزا کے طور پر 25 فیصد مزید ٹیرف عائد کیا۔

یہی نہیں انڈیا سے تجارتی معاہدے کے لیے جو بات چیت چل رہی تھی وہ بھی امریکہ نے غیر معینہ مدت کے کے لیے ملتوی کردی۔ دونوں ملکوں کے بہترین تعلقات کے پس منظر میں امریکہ کے ان سخت اقدامات کے لیے انڈیا قطعی تیار نہیں تھا۔

امریکہ انڈیا کا سب سے بڑا تجارتی پارٹنر ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تقریباً 133 ارب ڈالر کی تجارت ہوتی ہے۔ انڈیا اربوں ڈالر کے ملبوسات، ہیرے موتی، جواہرات، ادویات اور الیکٹرانکس کا ساز وسامان امریکہ برآمد کرتا ہے۔

ٹیرف کے نفاذ سے ان شعبوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ نئے آرڈر معطل کردیے گئے ہیں، لاکھوں ملازمتوں پر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

امریکہ کا رویہ مزید سخت ہوتا جارہا ہے۔ اس کا کہنا ہے انڈیا روس سے تیل خرید کر اسے پوری دنیا میں فروخت کر کہ نہ صرف منافع کمارہا ہے بلکہ وہ روس کے جنگی مشین کو طاقت فراہم کررہا ہے۔

امریکہ نے انڈیا سے کہا ہے کہ 'وہ روس سے تیل خریدنا بند کردے ورنہ اس کے خلاف مزید اقدامات کیے جاسکتے ہیں'۔

انڈیا کے وزیراعظم نریندر مودی نے گذشتہ ایک عشرے میں امریکہ سے قریبی تعلقات کی کوشش میں اس پر انحصار بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔

سنہ 2020 میں مشرقی لداخ کے گلوان خطے میں چین اور انڈیا کے فوجیوں کے درمیان خونریز جھڑپ کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات بہت تلخ ہوگئے تھے۔ امریکہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش میں اس پورے عرصے میں انڈیا کے چین سے تعلقات انتہائی تلخ رہے۔

یہی نہیں ایک مرحلے پر انڈیا نے اپنے سب سے قریبی دوست ملک روس کو بھی نظر انداز کرنا شروع کردیا تھا لیکن اب اچانک چین سے تعلقات بہتری کی طرف بڑھتے ہوئے محسوس ہورہے ہیں۔

تجزیہ کار نروپما سبرامنین کہتی ہیں 'گلوان کے ٹکراؤ کے بعد وزیراعظم کے منہ سے چین کا نام نہیں نکلتا تھا۔ ان کے منہ پر کبھی شی جن پنگ کا نام نہیں آتا تھا۔ پانچ سال بعد انھوں نے چین کا نام لیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس مہینے کے اواخر میں ایس سی او کے سربراہی اجلاس کے دوران صدر شی جن پنگ سے ملاقات کریں گے'۔

اس ہفتے کے اوائل میں چین کے وزیر خارجہ وانگ یی انڈیا کے دورے پر آئے۔ انھوں نے اپنے انڈین ہم منصب ایس جے شنکر کے علاوہ قومی سلامتی کے مشیر اجیت ڈوبھال سے تجارت کی بحالی اور سرحدی تنازعات کے پہلوؤں پر تفصیلی مذاکرات کیے۔ دونوں ملکوں نے تعلقات معمول پر لانے کے لیے نایاب معدنیات، فرٹیلائزر اور دوسرے ساز وسامان کی سپلائی بحال کرنے اور جلد ہی دونوں ملکوں کے درمیان براہ راست پروازیں اور ویزوں کے اجرا کے حوالے سے کام کرنے پر اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ سرحدی معاملات کو جلد حل کرنے کی بھی بات کی گئی۔

کچھ دن پہلے اجیت ڈوبھال ماسکو کے دورے پر تھے۔ اب ایس جے شنکر ماسکو گئے ہیں۔ وہاں وہ روس سے تجارت کو وسیع کرنے کے ایک معاہدے پر بات چیت کریں گے۔ وہ آئندہ مہینوں میں صدر پوتن کے انڈیا دورے کے بارے میں بھی بات چیت کریں گے۔

کیا ان قربتوں کی وجہ امریکی ٹیرف ہیں؟

چین اور روس سے انڈیا کے تعلقات میں اب ایک نیا جوش دیکھنے میں آیا ہے۔ تو کیا صدر ٹرمپ کی ٹیرف کی افراتفری نے انڈیا کو چین اور روس کی طرف دھکیل دیا؟



عالمی امور کی تجزیہ کار نروپما سبرامنین کہتی ہیں انڈیا کے اقتصادی ماہرین، اقتصادی مشیر اور پالیسی ساز ایک عرصے سے یہ کہہ رہے تھے کہ چین کی سرمایہ کاری کے بغیر انڈیا اپنی معیشت کو تیزی سے آگے نہیں لے جاسکتا۔

'انڈیا کو کئی شعبوں میں چینی سرمایہ کاری اور ان کے ساز وسامان کی ضرورت ہے۔ چین کی معیشت بھی کچھ کمزور ہوئی۔ اس لیے یہ دونوں ملکوں کے حق میں تھا کہ وہ تعلقات کو بہتر بنائیں'۔

وہ کہتی ہیں کہ 'امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے پوری دنیا میں افراتفری پیدا کردی۔ اس کے نتیجے میں ہر ملک کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر رہا ہے۔ انڈیا اور چین کے درمیان تعلقات معمول پر لانے کی جو کوششیں گذشتہ ایک برس سے چل رہی تھی وہ صدر ٹرمپ کے اقدامات کے بات اور بھی تیز ہوگئی ہیں'۔

بین الاقوامی امور کی تجزیہ کار نیما با سوکہتی ہیں کہ 'جس وقت انڈیا اور امریکہ کے درمیان تجارتی معاہدے پر بات چیت چل رہی تھی اس وقت صدر ٹرمپ نے تیس سے زیادہ بار انڈیا اور پاکستان کی جنگ کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان جنگ بندی انھوں نے کروائی تھی۔ انڈیا نے اس کی تردید کی اور یہ معاملہ دونوں ملکوں کے درمیان

موجودہ تلخی کا سبب بنا۔'

وہ کہتی ہیں کہ 'جنگ بندی میں صدر ٹرمپ کے کردار کا اعتراف نہ کرنے کے سبب روسی تیل خریدنے کا بہانہ بنا کر انڈیا کے خلاف اضافی محصولات نافذ کی گئیں۔'

انڈیا کے پاس کیا راستے ہیں؟

نیمیا کا کہنا ہے کہ انڈیا نے 2019 میں امریکہ کے دباؤ میں آ کر ایران سے تیل لینا بند کر دیا جبکہ ایران انڈیا کے سب سے بڑے سپلائر میں شامل تھا اور قریب ہونے کی وجہ سے اس کا تیل بھی سستا پڑتا تھا۔

'اب اگر امریکہ کے دباؤ میں انڈیا روس سے بھی تیل لینا بند کر دے تو انڈین معیشت کے لیے بہت مشکل صورتحال پیدا ہو جائے گی۔'

وہ کہتی ہیں کہ 'روس انڈیا کا سٹریٹجک اور دفاعی پارٹنر ہے۔ انڈیا ان رشتوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں انڈیا روس سے تیل خریدنا بند نہیں کرے گا۔ ایک پہلو اور بھی ہے۔ انڈیا کو ایران سے بھی تیل لینا شروع کر دینا چاہیے۔ ایران کسی ملک سے جنگ نہیں کر رہا، اس نے کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ اس کے اوپر امریکہ نے یکطرفہ پابندی لگا رکھی ہے۔ اگر انڈیا سخت جواب دینا چاہتا ہے تو اسے ایران سے تیل خریدنا شروع کر دینا چاہیے۔'

وہ مزید کہتی ہیں کہ انڈیا اور امریکہ کے تعلقات میں جو کشیدگی آئی، اس کے نتیجے میں انڈیا نے یہ محسوس کیا کہ چین سے جو معاملات ہیں ان کو جلد حل کر کے تعلقات معمول پر لانے میں ہی فائدہ ہے۔

انھوں نے وضاحت کی کہ 'اگر امریکی ٹیرف پوری طرح نافذ ہو گئے اور اضافی ٹیرف بھی لگا دیے گئے تو اس سے انڈیا کے ایکسپورٹرز اور تاجروں کو تو مشکلوں کا سامنا کرنا ہی پڑے گا بلکہ اس کا انڈین معیشت پر بھی بہت بڑا اثر پڑے گا۔ انڈیا نے امریکہ پر بہت زیادہ انحصار کرنے کی غلطی کی اور چین سے تعلقات کو ایک دم سرد مہری کی نذر کر دیا۔ اب انڈیا یہ سمجھ گیا ہے کہ اسے چین کے ساتھ بھی ٹریڈ ڈیل کرنی چاہیے۔ وہ صرف امریکہ پر انحصار





نہیں کر سکتا۔'

نرو پما سبرامنین کہتی ہیں کہ صدر ٹرمپ کے اقدامات کے بعد انڈیا کی سٹریٹجک کمزوریاں سامنے آ گئی ہیں۔ اس کی اقتصادی کمزوریاں پہلے ہی سامنے آ چکی ہیں لیکن کیا چین انڈیا سے اپنے سرحدی تنازعات حل کرے گا، کیا ایل اے سی سے فوجیں پیچھے ہٹیں گی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

وہ کہتی ہیں 'انڈیا کا ماننا ہے کہ چین نے حالیہ جنگ میں پاکستان کی مدد کی، چین کے جہاز میزائل سب اس جنگ میں شامل تھے لیکن انڈیا نے چین سے سرکاری سطح پر یہ سوالات نہیں اٹھائے کیونکہ اس کی کمزوری سامنے ہے۔ چین انڈیا کے مقابلے ایک طاقتور ملک ہے۔'

نیمیا کہتی ہیں کہ 'چین کی سفارت کاری بہت منظم ہے اور وہ اسے بہت سمارٹ طریقے سے چلاتے ہیں اور اس میں بہت خوبصورتی سے توازن بھی رکھتے ہیں۔'

'وزیر خارجہ وانگ یی کے دلی دورے میں بات چیت کے بعد چین نے نایاب معدنیات، فرٹیلائزر اور سرنگیں کھودنے والی بھاری مشینیوں کی سپلائی انڈیا کے لیے بحال کرنے کا اعلان کیا۔ ان کی سپلائی رکنے سے انڈیا



میں بہت سے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ انڈیا نے بھی اس کے عوض کوئی وعدہ کیا ہوگا، جس کے بارے میں بعد میں پتہ چلے گا۔'

نیمیا کے مطابق 'اگر آپ کو دنیا کی دو سپر معیشتوں کے درمیان اپنی معیشت چلانی ہے تو آپ چین کے ساتھ بالکل ناطہ تو ڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ انڈیا اور چین کی سرحدی کشیدگی تو کم ہو گئی لیکن سرحدوں سے فوجیں اب بھی پیچھے نہیں ہٹی ہیں۔ وہ تنازع ابھی بھی حل نہیں ہوا۔ اس لیے انڈیا ذرا محتاط ہے لیکن وہ چین کو نظر انداز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'

دفاعی تجزیہ کار پروین ساہنی کہتے ہیں کہ 'گزشتہ عشروں میں چین اور انڈیا دونوں ملکوں نے ترقی کی لیکن ان دونوں کی ترقی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ چین اتنا آگے نکل گیا کہ اب وہ دنیا کی ایک بڑی طاقت بن چکا ہے اور وہ تن تنہا دنیا کی سیاست اور معیشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔'

'لیکن انڈیا یہ سوچتا ہے کہ وہ بھی بہت ترقی کر چکا ہے اور وہ اپنے لوگوں کو یہ بتاتا ہے وہ چین کا سیاسی اور اقتصادی محاذ پر مدمقابل ہے اور چین سے سرحدی تنازع نہ حل کرنے کے لیے اسی کو عذر بنا لیا گیا۔'

تنازعات جو بہتر تعلقات کی راہ میں حائل ہیں

چین کی سب سے لمبی سرحد انڈیا سے ملتی ہے اور دونوں ملکوں کے سرحدی تنازعات بہت پیچیدہ نوعیت کے ہیں۔ انھیں حل کرنے کے لیے اعلیٰ سطح پر مذاکرات ہوتے رہے ہیں لیکن ان میں کوئی بنیادی پیشرفت نہیں ہوئی۔

تجزیہ کار نرو پما سبرامنین کہتی ہیں کہ 'جب تک سرحدی تنازعات حل نہیں ہوتے تب تک انڈیا کے چین سے تعلقات میں استحکام نہیں آئے گا۔ سرحدی تنازعے کی وجہ سے ہی دونوں ممالک ایک جنگ لڑ چکے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان ایک باہمی عدم اعتبار کا مسئلہ ہے۔'

وہ کہتی ہیں کہ 'پہلے یہ سوچ ہوا کرتی تھی کہ انڈیا کو یہ قبول کرنا پڑے گا کہ چین کے ساتھ بہتر تعلقات بنانے ہیں تو اسے زمین کے بدلے زمین دینی ہوگی۔ شاید اروناچل پردیش کی جگہ لداخ میں زمین کا کچھ حصہ دینا پڑ سکتا ہے۔ ایک طرح کی حقیقت پسندی تھی لیکن اب اس طرح کی باتیں زیادہ نہیں سنائی دے رہی مگر یہ پھر بھی کسی نہ کسی طرح اسی تصور کی طرف بڑھ رہا ہے کہ بارڈر ایڈجسٹمنٹ کے ذریعے ہی تعلقات بہتر کیے جائیں۔'

ٹیرف اور تلخ تعلقات کیا انڈیا اور امریکہ میں دوری کو مزید بڑھائیں گے؟ پروین ساہنی کہتے ہیں کہ مودی حکومت امریکہ سے تعلقات دوبارہ بہتر کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔

'مودی حکومت نے امریکی نظام میں بہت زیادہ سرمایہ کاری کر دی ہے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انڈیا سے باہر آر ایس ایس کے سب سے زیادہ پیروکار امریکہ میں ہیں۔ وہ انڈیا پر دباؤ بنائیں رکھیں گے۔'

نرو پما کا کہنا ہے امریکہ کے تعلقات انڈیا کے ساتھ برقرار رہیں گے۔

ان کا کہنا ہے کہ 'امریکہ دنیا کا سب سے طاقتور ملک ہے اور دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے۔ انڈیا کو امریکہ کی ضرورت رہے گی لیکن دونوں ملکوں کے تعلقات میں جو استحکام تھا، وہ اب نہیں رہے گا اور اس نوعیت کے تعلقات دوبارہ قائم کرنے میں شاید صدر ٹرمپ کے جانے کے بعد بھی کئی برس لگ جائیں گے۔'



اکبر کی مریم الزمانیؒ

ہندوستان کی سب سے بڑی خاتون تاجر جنہیں

نقصان پہنچانا پرتگالیوں اور انگریزوں کو مہنگا پڑا

سنہ 1613 کا موسمِ برسات ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ پرتگالی تاجروں نے 'رحیمی' نامی بحری جہاز کو روک کر اپنے قبضے میں لے لیا اور اسے 'گوا' لے گئے۔ بحیرۂ احمر میں تجارت کرنے والے ہندوستانی جہازوں میں سب سے بڑا یہ جہاز 'مریم الزمانی' نامی خاتون کی ملکیت تھا۔

'مریم الزمانی' اُن کا لقب تھا جبکہ اصل نام 'ہرکھا بائی' تھا۔ راجپوت شہزادی ہرکھابائی کی کہانی کافی دلچسپ ہے۔

سنہ 1562 میں ہرکھابائی کی شادی تیسرے مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر سے ہوئی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد اس جوڑے کے ہاں نورالدین محمد کی پیدائش ہوئی اور اس موقع پر اکبر نے ہرکھا بائی کو 'مریم الزمانی' کا لقب دیا۔ اُن کے بیٹے نورالدین محمد بعد ازاں 'جہانگیر' کے لقب کے ساتھ تخت پر بیٹھے۔

تاریخ دانوں روبی لال اور ایرا مکھوٹی کے مطابق اکبر کی پسندیدہ اور اثر و رسوخ رکھنے والی یہ شریکِ حیات، اپنے دور کی امیر ترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔

ایلیسن بینکس فنڈلی نے امیر یکن اور یمغل سوسائٹی کے جرنل کے لیے اپنے تحقیقی مضمون 'دی کیپچر آف مریم الزمانیز شپ: مغل ویمن اینڈ یورپین ٹریڈرز' میں لکھا ہے کہ مریم الزمانی کو مغل سلطنت کی سب سے بڑی خاتون تاجر مانا جاتا ہے۔ وہ 40 برس سے زائد عرصے تک اور سنہ 1623 میں اپنی وفات کے وقت تک مادرِ ملکہ کے منصب پر فائز رہیں۔

جہانگیر (مریم الزمانی کے بیٹے اور مغل بادشاہ) ہی کی حکومت تھی جب پرتگالی اجازت نامہ ہونے کے باوجود بھی مریم الزمانی کے ملکیتی 'رحیمی' نامی بحری جہاز کو اس پر لدے تمام تر تجارتی سامان اور لگ بھگ 700 مسافروں سمیت پرتگالیوں نے قبضے میں لے لیا۔

ایرا مکھوٹی 'ڈاٹرز آف دی سن: ایمپریسز، کوئینز اینڈ ہنگرز آف دی مغل ایمپائر' میں لکھتی ہیں کہ 'رحیمی' محض ایک تجارتی جہاز نہیں تھا بلکہ حج کے سفر کے لیے استعمال ہونے والا جہاز بھی تھا، جو سورت (ہندوستان) کی بندرگاہ سے حاجیوں کو موچا (مکہ کے جنوب میں بحیرۂ احمر کے دہانے پر واقع ایک عرب بندرگاہ) لے جاتا، اور یورپی دنیا میں 'دی گریٹ پلگرم شپ' کے نام سے مشہور تھا۔

'رحیمی کے ذریعے ہندوستان سے نیل، کپاس، ریشم، چمڑا، دھاتیں، قالین، مسالے، افیون اور جواہرات برآمد کیے جاتے۔ جبکہ یہ ایسا سامان ہندوستان لاتا جو خاص طور پر شاہی خواتین کی دلچسپی کا باعث ہوتا، جیسے سونا، چاندی، ہاتھی دانت، موتی، عنبر، عطر، شراب، کمخواب، برتن سازی کے اوزار اور شیشے۔'

'مریم الزمانی کی ملکیت میں کئی اور جہاز بھی تھے، مگر رحیمی سمندری سفر کے لیے سب سے پسندیدہ تھا۔' مکھوٹی کے مطابق 17 ویں صدی میں رحیمی ہندوستانی سمندروں میں چلنے والے سب سے بڑے جہازوں میں شمار ہوتا تھا۔

'اس میں ڈیڑھ ہزار مسافروں کی گنجائش تھی اور یہ ایک لاکھ پاؤنڈ مالیت کا سامان لاتا، لے جاتا تھا، جو آج کے حساب سے تقریباً آدھ ارب ہندوستانی (یا لگ بھگ پونے دو ارب پاکستانی) روپے کے برابر ہے۔ مادرِ ملکہ (مریم الزمانی) نے تجارت کے لیے متعدد ایجنٹس، دلال اور مالی مشیر مقرر کر رکھے تھے۔'

ولیم فاسٹر کی کتاب 'اربلی ٹریولز' کے مطابق مریم الزمانی، بادشاہ سمیت دربار کی ان چار شخصیات میں شامل اور واحد خاتون تھیں جنھیں 12 ہزار سوار کا منصب حاصل تھا۔ ہر سال نوروز کے موقع پر انھیں ہر امیر اپنے مرتبے کے مطابق قیمتی جواہر پیش کرتا۔

مریم الزمانی کو سرکاری فرمان جاری کرنے کا حق بھی حاصل تھا، جو عموماً صرف بادشاہ کا خصوصی اختیار ہوتا تھا۔

مکھوٹی کے مطابق انھوں نے اپنی دولت اور اثر و رسوخ سے باغات، کنویں اور مساجد تعمیر کرائیں۔

سید محمد لطیف کی کتاب 'تاریخِ لاہور' سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے ہی سنہ 1614 میں لاہور کے شاہی قلعے کے اکبری دروازے کے ساتھ اندرون لاہور کے 12 تاریخی دروازوں میں سے ایک مستی دروازے میں واقع مریم زمانی یا بیگم شاہی مسجد بنوائی تھی۔

تاریخ دان مانتے ہیں کہ کوئی اور شاہی خاتون ایسی نظر نہیں آتیں جو مریم الزمانی کی طرح جری اور مہم جو تاجر رہی ہوں اور نہ ہی کسی تاجر کا جہاز اس قدر مسائل کا شکار ہوا ہو جتنا ان کا۔

فوسٹر کے مطابق فروری 1609 میں مریم الزمانی کا جہاز موچا جانے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ پرتگالیوں نے دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اجازت نامے کے لیے بھاری رقم ادا نہ کی تو وہ جہاز کو (گجرات کی بندرگاہ) دیو لے جائیں گے۔ بالآخر لڑائی سے بچنے کے لیے دونوں فریق ایک نسبتاً کم رقم پر متفق ہو گئے۔

'پھر سنہ 1610 کے آخر یا سنہ 1611 کے آغاز میں جب جہاز میں موچا کے ایک اور سفر کے لیے سامان رکھا جا رہا تھا، مریم الزمانی نے اپنے ایک ایجنٹ کو آگرہ کے جنوب مغرب میں 50 میل کے فاصلے پر نیل پیدا کرنے کے ایک اہم مرکز بھیجا تاکہ نیل خرید کر جہاز میں لادا جا سکے۔'

'لیکن جیسے ہی سودا مکمل ہونے والا تھا، انگریز تاجر ولیم فنچ پہنچے اور کچھ زیادہ قیمت کی پیشکش کی، نیل خریدا اور لے اڑے۔ جب مریم الزمانی کو پتا چلا کہ ایک انگریز نے ان سے زیادہ قیمت دے کر مال خرید لیا ہے تو وہ سخت برہم ہوئیں اور اپنے بیٹے بادشاہ جہانگیر سے شکایت کی، جس کے نتیجے میں دربار میں انگریز نمائندے ولیم ہاکنز کو کافی عرصے تک مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔'

ولیم فنچ کے اس عجلت پسند عمل نے جہانگیر کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوری مستقبل کے لیے تباہ کن نتائج پیدا کیے۔ اس کے اثرات اتنے شدید تھے کہ سنہ 1612 میں انگریز کپتان جارڈین نے لکھا 'ملکہ کا جہاز، رحیمی، موچا جانے والا تھا اور مقامی تاجر اس وقت تک اپنا مال جہاز میں لادنے پر راضی نہ تھے جب تک ہم (یورپی) وہاں سے نکل نہ جائیں۔'

گویا مریم الزمانی ایک خوشحال تاجر ہونے اور مغل شاہی خاندان سے تعلق کے باوجود کاروبار کے خطرات سے محفوظ نہیں تھیں۔

فنڈلی کے مطابق پرتگالیوں نے اکبر کے دورِ حکومت میں نسبتاً خوشگوار تعلقات قائم رکھے اور یہ تعلقات جہانگیر کے عہد تک جاری رہے۔

مگر مکھوٹی لکھتی ہیں کہ جہانگیر کے دور میں پرتگالیوں کو مغل دربار میں دیگر یورپی تاجروں خصوصاً انگریزوں کی موجودگی سے خطرہ لاحق ہوا۔

برطانوی کولونیل ریکارڈ کے مطابق یورپی حریفوں کو مغل دربار سے نکالنے کے لیے بادشاہ پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے پرتگالیوں نے جہانگیر کی والدہ مادر ملکہ مریم الزمانی کے زیرِ ملکیت ایک جہاز کو نشانہ بنا کر شہنشاہ کی ساکھ اور وقار کو چیلنج کیا۔

پرتگالیوں نے جہاز جلا دیا تھا

فنڈلی لکھتے ہیں کہ جب یہ واضح ہو گیا کہ جہاز واپس نہیں ملے گا، تو جہانگیر نے سمندری تجارت کی سب سے بڑی ہندوستانی بندرگاہ سُورت سے ہر قسم کی آمد و رفت بند کرنے، پرتگالی قصبے دمن پر قبضہ کرنے اور اسے بند کرنے کا حکم جاری کیا۔

رابرٹ اورمے نے اپنی کتاب 'ہسٹاریکل فریگمینٹس آف دی مغل ایمپائر' میں لکھا ہے کہ پرتگالیوں نے صلح کی کوشش کی اور بعد میں مغل حکومت کو جہاز کا نقصان بھرنے اور 'بحیرۂ احمر جانے والے مقامی جہازوں کو کچھ اضافی اجازت نامے دینے' پر آمادگی ظاہر کی۔

لیکن چونکہ یہ معاہدہ انگریزوں کی بے دخلی سے مشروط تھا اس لیے جہانگیر نے مزاحمت کی۔



بالآخر، ولیم فوسٹر کے مجموعے 'لیٹرز ریسیوڈ بائی دی ایسٹ انڈیا کمپنی' کے مطابق شہنشاہ نے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت پرتگالیوں کو 'قبضے میں لیے گئے جہاز کے بدلے تین لاکھ روپے ادا کرنا' پڑے لیکن انگریزوں کی بے دخلی کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا کیونکہ جہانگیر سمندر میں انگریزوں کی طاقت سے بتدریج واقف ہو رہے تھے۔

'اس طرح مریم الزمانی کے جہاز پر پرتگالی قبضے نے دونوں حکومتوں کے تعلقات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کر دی اور یہ واقعہ انگریزوں کے لیے ایک بڑا فائدہ ثابت ہوا۔'

'شاہِ معظم کی والدہ ایک بڑی مہم جو خاتون تھیں اور اسی وجہ سے شاہِ معظم نے پرتگالیوں کو اس جگہ سے نکال باہر کیا۔'

مریم الزمانی نے اپنے سب سے بڑے حج جہاز 'رحیمی' کے ضائع ہونے کے باوجود اپنے تجارتی اور حج کے جہاز چلانا جاری رکھے۔

پرسون چیٹر جی نے اپنی کتاب 'جینڈ رانڈ ٹریول رائٹنگ ان انڈیا' میں لکھا ہے کہ وہ جہازوں کے ایک بیڑے کی کمان سنبھالے ہوئی تھیں۔

فوسٹر سمیت کئی مؤرخین کے مطابق سنہ 1617 میں دو انگریز قزاقوں نے بحیرۂ احمر سے بے شمار حاجیوں اور قیمتی سامان کے ساتھ واپس آتے، مریم الزمانی کے ایک جہاز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عین وقت پر یہ جہاز بچا لیا گیا۔

'اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بیڑے کی بروقت مداخلت نہ ہوتی تو اس کارروائی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہندوستان کی سب سے مصروف منڈیاں انگریزی تجارت کے لیے بند ہو جاتیں۔'

عائشہ صفدر اور محمد اعظم خان کی جرنل آف انڈین سٹڈیز کے لیے تحقیق ہے کہ رحیمی کے نقصان کے بعد مادر ملکہ نے ایک اور بڑا جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔

'اس پر 62 توپیں نصب تھیں اور 400 سے زائد بندوقچی متعین تھے۔ اس کا نام 'گنج سوائی' رکھا گیا جو اپنے وقت میں سمندر کا سب سے خوفناک جہاز سمجھا جاتا تھا۔ اس کا مقصد تجارت اور حاجیوں کو مکہ لے جانا تھا اور واپسی پر تمام سامان کو سونے اور چاندی میں تبدیل کر کے حاجیوں کو



واپس لانا تھا۔' (بعد میں اورنگزیب عالمگیر کے دورِ حکومت میں 7 ستمبر 1695 کو موچا سے سورت جاتے ہوئے انگریز قزاق ہنری ایوری نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔)

'رائل مغل لیڈیز اینڈ دیئر کنٹریبیوشنز' کی مصنفہ سوما مکھرجی کے مطابق مریم الزمانی برصغیر کی سب سے پہلی ایسی خاتون سمجھی جاتی ہیں جن کا اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تجارت میں باقاعدہ اور مسلسل عمل دخل رہا۔

فنڈلی نے لکھا ہے کہ 'ایک کامیاب تاجر اور کاروباری خاتون کی حیثیت سے انھوں نے وسیع تر میدان میں بیرونی تجارت کے نئے پھیلتے کاروبار میں مغل خواتین کے لیے کردار متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مغل سلطنت کی تمام معروف خواتین تاجروں میں جن میں نور جہاں اور جہان آرا بیگم شامل ہیں، انھیں سب سے زیادہ بااثر اور نمایاں سمجھا جاتا ہے۔'



اعلانِ تقرری



ماہنامہ کرائم بیورو نے راحیل شہزاد کو ضلع شہید بینظیر آباد کے لیے بیورو چیف مقرر کیا ہے۔ تمام خبروں اور اشتہارات کے سلسلے میں اُن سے براہِ راست رابطہ کریں:

0333-7005002

ادارہ ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

25 جولائی 2025 کو تہران میں ایرانی قونصل خانہ، جہاں جرمنی، فرانس اور برطانیہ مل کر ایران پر نئی پابندیاں لگانے کے بارے میں مذاکرات کررہے ہیں (اے ایف پی)

برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی جانب سے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کو بھیجے گئے ایک خط سے ظاہر ہوا ہے کہ ان تینوں ممالک نے جمعرات کو ایک

اگر ایران پر دوبارہ پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو کیا ہوگا؟ 10 سوال



30 روزہ عمل شروع کیا ہے تاکہ ایران پر اس کے جوہری پروگرام کی وجہ سے اقوامِ متحدہ کی پابندیاں دوبارہ عائد کی جاسکیں۔

یہ فیصلہ یورپی ممالک کی اس مثلث نے اس الزام کے بعد کیا کہ ایران 2015 میں بڑی طاقتوں کے ساتھ کیے گئے جوہری معاہدے کی پاسداری نہیں کر رہا، جس کا مقصد ایران کو جوہری ہتھیار بنانے سے روکنا تھا۔

1: ایران کا 2015 کا جوہری معاہدہ کیا تھا؟

کئی ممالک کو شک تھا کہ ایران جوہری ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کی ایران تردید کرتا ہے۔

ایران نے 2015 میں برطانیہ، جرمنی، فرانس، امریکہ، روس اور چین کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جسے مشترکہ جامع عملی منصوبہ (JCPOA) کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت ایران پر عائد اقوامِ متحدہ، امریکی اور یورپی پابندیاں ختم کردی گئیں، لیکن ایران کے جوہری پروگرام پر سخت پابندیاں عائد کردی گئیں۔

سلامتی کونسل نے جولائی 2015 میں اس معاہدے کی توثیق کی جو اب اس سال 18 اکتوبر کو ختم ہو رہا ہے۔ معاہدے کی شقوں کے مطابق کسی بھی فریق کو حق حاصل ہے کہ وہ ایران پر دوبارہ پابندیاں عائد کرنے کا مطالبہ کرسکے۔



2: دوبارہ پابندیاں عائد کرنے کا مطلب کیا ہے؟

2015 کے معاہدے میں ایک میکانزم رکھا گیا جسے 'سنیپ بیک' کہا جاتا ہے۔ اگر کسی فریق کو لگے کہ ایران بڑی خلاف ورزی کر رہا ہے تو سلامتی کونسل اس عمل کے تحت دوبارہ پابندیاں عائد کرسکتی ہے۔

3: 30 دن کی مہلت کیا ہے؟

اب چونکہ عمل شروع ہو چکا ہے، اس لیے سلامتی کونسل کو 30 دن کے اندر ووٹ کرانی ہوگی کہ آیا ایران پر سے پابندیاں ہٹائی جائیں یا نہیں۔ اس کے لیے نو ووٹ درکار ہیں اور مستقل رکن ممالک کو ویٹو استعمال نہیں کرنا ہوگا۔

اگر قرارداد منظور نہ ہوئی تو 30 دن بعد ایران پر تمام پرانی اقوامِ متحدہ کی پابندیاں ازخود بحال ہوجائیں گی۔

4: کون سی پابندیاں لگ سکتی ہیں؟

اگر دوبارہ پابندیاں لگیں تو 2006 سے 2010 کے درمیان لگائی گئی تمام پابندیاں واپس آجائیں گی، جیسے:

ہتھیاروں کی خرید و فروخت پر پابندی۔

یورینیم کی افزودگی اور دوبارہ پراسیسنگ پر پابندی۔

بیلسٹک میزائل سرگرمیوں پر پابندی۔

ایرانی شخصیات اور اداروں پر عالمی اثاثے منجمد اور سفری پابندیاں۔

ایران کی فضائی و بحری کمپنیوں کی سخت تلاشی۔



5: کیا نئی قرارداد آئے گی؟

یورپی ممالک نے کہا ہے کہ وہ محدود وقت کے لیے توسیع پر رضامند ہیں تاکہ مذاکرات کے ذریعے نیا معاہدہ کیا جاسکے۔

6: روس اور چین کا کیا کردار ہے؟

روس اور چین نے ایک متبادل قرارداد تجویز کی ہے جو معاہدے کو 2026 تک بڑھا دے گی۔ اس میں ایسی شقیں شامل ہیں جو یورپی ممالک کو پابندیاں دوبارہ عائد کرنے سے روک دیں گی۔

7: کیا پابندیاں روکنا ممکن ہے؟

روس اور چین کا موقف ہے کہ یورپی ممالک نے معاہدے کے اندرونی طریقہ کار پر عمل نہیں کیا، اس لیے وہ پابندیاں دوبارہ عائد نہیں کر سکتے۔ لیکن قانونی طور پر ویٹو پاور کے باوجود وہ اس عمل کو روک نہیں سکتے، صرف عمل درآمد سے انکار کرسکتے ہیں۔

8: امریکہ کا کیا کردار ہے؟

سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے 2018 میں امریکہ کو معاہدے سے نکال دیا اور ایران پر دوبارہ تمام امریکی پابندیاں عائد کردیں۔ اس کے بعد ایران نے بھی اپنی کچھ ذمہ داریاں پوری کرنا بند کردیں۔

9: ایران کیا کر رہا ہے؟

ایران نے یورینیم کی افزودگی 60 فیصد تک بڑھا دی ہے، جو ہتھیار بنانے کے قریب ترین سطح ہے (90%)۔ مغربی ممالک کہتے ہیں کہ اس سطح کی افزودگی صرف ایٹمی ہتھیار کے لیے ضروری ہے۔ ایران کا دعویٰ ہے کہ اس کا پروگرام پُرامن ہے۔

10: امریکہ اور ایران میں بات کیوں نہیں ہو رہی؟

امریکہ اور ایران کے درمیان بالواسطہ مذاکرات کئی ماہ سے رکے ہوئے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب اسرائیل اور امریکہ نے ایران کی جوہری تنصیبات اور میزائل سائٹس کو نشانہ بنایا۔









تھکا ہوا، ہارا ہوا صحافی

خاور حسین



تحریر

طحہ عبیدی

میں سوچ رہا تھا خاور حسین کے ساتھ اپنی تصاویر شیئر کروں، ہنستے، مسکراتے، موج مستی کرتے خاور حسین سے ملاقات کراؤں مگر پھر فیصلہ کیا زندگی کا ایک رُخ تو دنیا نے دکھایا ہے اب زندگی کا درد بھی محسوس کیجئے۔ لگژری لائف کی خواہش سب کو ہوتی ہے، اینکر مرید عباس کو بھی یہ خواہش تھی، اداکارہ حمیرا اصغر بھی یہ خواہش لیے دنیا سے چلی گئی، صحافی خاور حسین بھی اس راستے پر گامزن تھا، حیرانگی کی بات تو یہ تھی فیملی لاعلم رہی، دوست یار خاور کا درد محسوس نہیں کر پائے یا پھر خاور لگژری زندگی میں اکیلا اکیلا بہت آگے نکل گیا جس کی واپسی بہت مشکل ہو چکی تھی یا میرے یار کو دنیا کی نظر کھا گئی۔

خاور نے دوستوں کو رات ملاقات کا کہا اور شام کو اپنی آخری منزل کی طرف روانہ ہو گیا، دوپہر 2 بجکر چالیس منٹ پر کراچی سے نکلا، ساڑھے پانچ بجے حیدرآباد پہنچا، تاج ہوٹل میں فریش ہوا اسی دوران گھر سے فون آ گیا، گھر کا پانی ختم ہونے والا تھا، ٹینکر والے کو فون کیا، پیسے ٹرانسفر کیے اور پھر سانگھڑ کیلئے نکل پڑا، جھول سے سانگھڑ 20 سے 25 منٹ کا راستہ ہے، خاور 2 گھنٹے تک کہیں نظر نہیں آیا تو خودکشی کے مقام "مرچی 360" کے اطراف کا جائزہ لیا گیا تو خاور تن تنہا گاڑی میں موجود تھا، یہ دو گھنٹے خاور نے گزارنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کی اور 25 منٹ اپنا شہر سانگھڑ گھوما، جہاں بچپن لڑکپن گزرا وہ دیکھا، پرانا محلہ، نیا محلہ، گراؤنڈ، اسکول دیکھے اور پھر مرچی 360 کے سامنے پہنچ گیا، کبھی فون پر باتیں کرتا، فون رکھتا ادھر اُدھر دیکھتا پھر فون اُٹھاتا اسی کشمکش کے بعد خاور حسین 8 بجکر 45 منٹ پر گاڑی سے نکلا، سامنے پیٹرول پمپ پر پہنچا ٹکٹر پر پنکچر والے سے "موبائل سے سم کارڈ" نکالنے کیلئے نوکیلی چیز مانگی، سم کارڈ نکالا اور دنیا سے رشتہ ختم کر دیا، اب تنہائی تھی اور خاور۔

دو گھنٹے خاور گاڑی میں بیٹھا زندگی کو سوچتا رہا، گاڑی سے اُترتا، واش روم استعمال کرتا پھر زندگی اور موت کی کشمکش میں کھو جاتا، اپنے فون کا ڈیٹا ڈیلیٹ کرتا اور آخر کے لمحات میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھکے ہوئے، ہارے ہوئے انسان کی طرح سر رکھتا، پستول ہاتھ میں لیتا اور 10 بجکر 46 منٹ پر خودکشی کر لیتا ہے۔ سینئر سیاسی رپورٹرز کامران رضی، سجے سادھوانی، سلیم جھنڈیر، کے ایم عباسی، حمید سومرو، رفیق بھٹو، اکرم بلوچ سمیت دیگر صحافیوں نے خاور حسین کی خودکشی پر تحفظات کا اظہار کیا ہے، ایڈیشنل آئی جی سی ٹی ڈی آزاد خان، ڈی آئی جی عرفان بلوچ، ڈی آئی جی فیصل شیر میمن اور ایس ایس پی سانگھڑ عابد بلوچ نے تفتیش مکمل کر لی ہے، پستول ہاتھ میں کیوں تھا؟ فائر کی آواز کیوں نہیں آئی؟ خاور کہاں گھومتا رہا؟ ان تمام سوالات کے جواب پولیس کے پاس موجود ہیں، میڈیکل بورڈ نے بھی اس واقعے کو خودکشی قرار دیا ہے۔ خاور کی زندگی کے کچھ پہلوؤں پر پردہ رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں میرے یار کا آخری سفر سکون سے طے ہو جائے۔ آمین





ملک کی فوج پر تنقید اور 'دشمن ملک' کے رہنما کو 'انکل' پکارنا

لیکڈ فون کال جس کی وجہ سے تھائی لینڈ کی وزیر اعظم کو عہدے سے ہاتھ دھونا پڑے

تھائی لینڈ کی آئینی عدالت نے ملک کی وزیر اعظم پیتھونتھان شینو اتھ کو اُن کے عہدے سے برطرف کرنے کا فیصلہ سُناتے ہوئے قرار دیا ہے کہ وزیر اعظم کمبوڈیا کے سابق رہنما ہان سین کے ساتھ لیک ہونے والی اپنی ٹیلیفونک گفتگو کے وزیر اعظم سے متوقع اخلاقی معیارات کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہیں۔

آئینی عدالت کے اس فیصلے کے بعد خاتون وزیر اعظم پیتھونتھان شینو اتھ کو عہدے سے ہٹا دیا گیا ہے جبکہ اُن کی کابینہ کو تحلیل کر دیا گیا ہے۔ ملک میں نئے وزیر اعظم کے انتخاب سے قبل اب موجودہ نائب وزیر اعظم عبوری طور پر اس عہدے کی باگ دوڑ سنبھالیں گے۔

یاد رہے کہ گذشتہ ماہ تھائی لینڈ اور کمبوڈیا میں سرحدی جھڑپیں ہوئی تھیں جس میں کئی افراد ہلاک ہوئے تھے اور ان جھڑپوں سے ایک ماہ قبل تھائی لینڈ کی وزیر اعظم پیتھونتھان شینو اتھ نے کمبوڈیا کے رہنما ہان سین سے فون پر بات کی تھی، جو بعد ازاں لیک ہو گئی تھی۔ اس ٹیلیفونک گفتگو میں پیتھونتھان شینو اتھ نے ہان سین کو 'انکل' کہہ کر پکارا تھا اور اپنے ملک کی فوج، بالخصوص ایک فوجی جرنیل پر تنقید کی تھی۔

پیتھونتھان شینو اتھ تھائی لینڈ کی ایسی پانچویں وزیر اعظم بن گئی ہیں جنھیں گذشتہ 20 سال سے بھی کم عرصے میں آئینی عدالت کے فیصلوں کے نتیجے میں عہدے سے ہٹایا گیا ہے۔

اس معاملے کا مرکز پیتھونتھان شینو اتھ کی جانب سے کمبوڈیا کے سابق رہنما ہان سین کو جون 2025 میں کی گئی ایک متنازع فون کال ہے۔ یہ فون کال اُس وقت کی گئی تھی جب تھائی لینڈ اور کمبوڈیا میں کشیدگی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی اور اس کال کے چند ہی ہفتوں بعد دونوں ممالک کی افواج نے ایک دوسرے پر فضائی اور سرحدی حملے کیے تھے۔

اس متنازع فون کال میں پیتھونتھان شینو اتھ نے کمبوڈیا کے رہنما ہان سین کو 'انکل' کہہ کر پکارا، اور تھائی لینڈ کے فوجی جنرلوں پر تنقید کی تھی۔ انھوں نے اپنے ملک کے فوجی کمانڈروں کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے اُن کے بارے میں گفتگو کی۔

لیک ہونے والی اس فون کال میں پیتھونتھان شینو اتھ نے ہان سین سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اُن کی ضروریات کا خیال رکھیں گی۔

ناقدین نے اُن پر الزام لگایا کہ وہ تھائی لینڈ کی طاقتور فوج کو کمزور کر رہی ہے اور ہان سین کے لیے اُن کی جانب سے واضح احترام کے اظہار پر بھی اعتراض کیا۔ یہ معاملہ سامنے آنے کے بعد پیتھونتھان شینو اتھ کو معطل کر دیا تھا اور آج انھیں ان کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

تھائی لینڈ کے درجنوں اراکین پارلیمان نے انھیں وزارت عظمیٰ کے عہدے سے ہٹانے کے لیے آئینی عدالت میں درخواست دائر کی، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ انھوں نے بطور وزیر اعظم اخلاقی معیارات کی خلاف ورزی کی ہے۔

آئینی عدالت نے پیتھونتھان شینو اتھ کے خلاف فیصلہ سُناتے ہوئے قرار دیا کہ اُن کی متنازع فون کال اخلاقی معیارات کی خلاف ورزی پر مبنی تھی چنانچہ انھیں ان کے عہدے سے برطرف کیا جاتا ہے۔

پیتھونتھان شینو اتھ نے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'تھائی لینڈ کے شہری کے طور پر میں ملک کے ساتھ اپنے مخلص ہونے کا یقین دلاتی ہوں۔'

پیتھونتھان شینو اتھ کون ہیں؟

پیتھونتھان شینو اتھ تھائی لینڈ کی اب تک کی سب سے کم عمر وزیر اعظم تھیں۔ جب انھوں نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا تو اُس وقت اُن کی عمر صرف 37 برس تھی۔ وہ تھائی لینڈ کی دوسری خاتون وزیر اعظم تھیں۔ اُن کی پھوپھی ینگلک شینو اتھ کو تھائی لینڈ کی پہلی خاتون وزیر اعظم ہونے کا اعزاز حاصل ہے، وہ سنہ 2011 سے سنہ 2014 تک ملک کے وزیر اعظم کے منصب پر فائز رہی تھیں۔

پیتھونتھان شینو اتھ کے والد تھاکسن شینو اتھ، جو کہ ایک ارب پتی شخصیت ہیں، بھی تھائی لینڈ کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔

پیتھونتھان نے ابتدائی تعلیم تھائی لینڈ کے ایلیٹ سکولوں سے حاصل کی جس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ برطانیہ چلی گئیں جہاں انھوں نے سرے کی ایک یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد پیتھونتھان اپنے خاندانی کاروبار سے منسلک ہوئیں اور اپنے خاندان کی ملکیت میں چلنے والے معروف رینڈے ہوٹل میں بطور اعلیٰ عہدیدار کام کیا۔

تھائی لینڈ میں انھیں اُن کے عرفی نام 'اُنگ اِنگ' سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی سیاست کا باقاعدہ آغاز سنہ 2021 میں پیہو تھائی پارٹی میں شمولیت سے کیا۔ دو سال ہی کے عرصے میں انھیں اس پارٹی کے سینیئر لیڈر کے طور پر نامزد کر دیا گیا۔

گذشتہ سال، تھائی لینڈ کی پارلیمان نے انھیں اس وقت وزیر اعظم منتخب کیا جب اُن کے پیشرو وزیر اعظم سٹریتھا تھاوسین کو ملک کی آئینی عدالت نے کابینہ میں تقرریوں کے قواعد کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے ہوئے نااہل قرار دے دیا تھا۔

شینو اتھ خاندان تھائی لینڈ کی سیاست پر گذشتہ کئی دہائیوں سے حاوی ہے اور اب پیتھونتھان شینو اتھ کی برطرفی کو اس خاندان کی سیاست کے لیے بڑا دھچکا قرار دیا جا رہا ہے۔

پیتھونتھان شینو اتھ کے والد تھاکسن شینو اتھ ایک معروف کاروباری شخصیت ہیں اور ٹیلکو کمپنی کے مالک ہیں۔ تھاکس شینو اتھ سنہ 2011 میں تھائی لینڈ کے دیہی علاقوں کے ووٹرز اور ملک کی کاروباری برادری کی سپورٹ سے سنہ 2001 میں ملک کے وزیر اعظم بنے تھے۔

وہ ملکی تاریخ کے پہلے رہنما تھے جنھوں نے پوری مدت کے لیے منتخب حکومت کی سربراہی کی۔ سنہ 2006 میں تھائی لینڈ کی فوج نے ایک بغاوت کے ذریعے تھاکسن کی حکومت کو برطرف کر دیا اور بالآخر سنہ 2008 میں انھوں نے خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر لی۔

سنہ 2011 میں اس خاندان نے ینگلک شینو اتھ کو آگے کیا جو سابق وزیر اعظم تھاکسن شینو اتھ کی بہن اور پیتھونتھان شینو اتھ کی پھوپھی ہیں۔

سنہ 2011 میں ہونے والے انتخابات میں ینگلک شینو اتھ بھاری اکثریت سے جیت گئیں مگر بعد ازاں ملک کی آئینی عدالت نے انھیں وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ ان پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ انھوں نے غیر قانونی طور پر ملک کے قومی سلامتی کے سربراہ کو ان کے عہدے سے ٹرانسفر کیا تھا۔ ملک کو تین وزیر اعظم دینے والے تھائی لینڈ کے شینو اتھ خاندان کے ملک کی فوج سے تعلقات اُتار چڑھاؤ کا شکار رہے ہیں۔ فوج نے بغاوتوں کے ذریعے شینو اتھ خاندان سے منسلک دو وزرائے اعظم کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا۔ تاہم ماضی میں یہ خاندان فوج کے ساتھ مل کر اتحاد بھی قائم کرتا رہا ہے۔

دعا بھی
علاج بھی

پٹنی
چیئریٹیبل اسپتال





- جدید ترین آلات اور ماہر ڈاکٹرز
- مستحق مریضوں کے لیے خصوصی رعایت
- ایمرجنسی سہولت 24 گھنٹے میسر
- خواتین اور بچوں کے لیے علیحدہ وارڈز
- صاف ستھرا ماحول اور بہترین نگہداشت








ADDRESS
126/14 Sector 5-F
New Karachi

PHONE
0325-3152000


صدر ولی محمد ملیک


جنرل سیکریٹری ہارون ناخوا


پٹنی اسپتال نیو کراچی کے دورے پر صدر پٹنی برادری ولی محمد ملیک، یوسف سومرہ، حسین پٹنی و دیگر کا گروپ فوٹو


مریم علی۔ محمد گوال


یوم دفاع
1965
PAKISTAN
DEFENCE DAY
HIGHWAY CITY
EXECUTIVE ENCLAVE
BOOKING STARTS FROM
RS.5,500
HIGHWAY CITY
DEVELOPERS
SPECTRUM DEVELOPERS